ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131
ایڈیٹر: محفوظ الرحمان
اکتوبر 2026ء | اخاء 1405 ھجری شمسی | ربیع الثانی / جمادی الاولیٰ 1448 ھجری قمری | جلد 15 نمبر 10

الٓمّٓ

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

(البقرۃ: 2، 3)

میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ یہی کامل کتاب ہے، اس (امر) میں کوئی شک نہیں، متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے۔

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

الحمد للہ والمنت کہ رسالہ طیبہ مبارکہ

المسماۃ بہ

شہادۃ القرآن علی نزول المسیح الموعود فی آخر الزمان

مطبع پنجاب پریس سیالکوٹ میں باہتمام

منشی غلام قادر صاحب

فصیح کے چھپا

قیمت (۶)　　　　نسخہ (۷۰۰)

ٹائٹل طبع اول ”شہادۃ القرآن“

تفصیلی تعارف کے لئے دیکھیں صفحہ 11 رسالہ ہٰذا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فہرست مضامین

اداریہ: چھٹی شرطِ بیعت	2
ارشادِ باری تعالیٰ: ہر ایک غلطی اور شبہ سے پاک کتاب	4
ارشاد نبوی ﷺ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا نشان عطا ہوا	5
اِمَامُ الکلام علیہ الصلوٰۃ والسلام: ھَلْ مِنْ مُعَارِضٍ	6
کَلَامُ الْاِمَام: یہ شفاء اور رحمت ہے مومنین کے لئے	9
تعارف کتب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام: ''شہادۃ القرآن'' (اے۔ ولیم)	11
مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات از افاضات حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ (ع۔ س۔ اختر)	37
سیرت النبی ﷺ: آنحضرت ﷺ پر غیر مسلموں کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ابو اشعر)	41
سیرت النبی ﷺ: کتاب کا تعارف۔ السیرۃ النبویہ لاحمد بن زینی دحلان (عبد اللہ)	69
قرآن مجید کے حسن و جمال کا تذکرہ روحانی خزائن میں (قسط ہفتم) (سید میر محمود احمد ناصر صاحب۔ مرحوم)	85
سیرت حضرت مسیح موعودؑ: حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت و سوانح پر 79 کے قریب لکھی جانے والی کتب کا تعارف (قسط پنجم) (اے ولیم)	97
اسلام کا پیش کردہ تصورِ خدا: بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی روشنی میں ''صفت خالقیت'' (م۔ الف۔ قاہر)	108

ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

اکتوبر 2026ء | اخاء 1405 ہجری شمسی

ربیع الثانی / جمادی الاولیٰ 1448 ہجری قمری

جلد 15 نمبر 10

ISSN: 20491131

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

اداریہ

چھٹی شرط بیعت

”یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا وہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرلے گا اور قَالَ اللہ اور قَالَ الرَّسُوْل کو اپنی ہر یک راہ میں دستورالعمل قرار دے گا۔“ (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

حضرت اَبُوْ ثَعْلَبَہ خُشَنِی ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں تم انہیں ضائع نہ کرو۔ اس نے کچھ حدیں مقرر کی ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرنا۔ اور کچھ چیزوں کو اس نے حرمت بخشی ہے پس ان کی ہتک نہ کرنا۔ اور کچھ باتوں کا ذکر اس نے بغیر بُھولے تم پر رحم کرتے ہوئے چھوڑ دیا ہے۔ پس ان کو نہ کریدو۔ (سنن دار قطنی باب الصید والذبائح حدیث نمبر 4396)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بیان فرماتے ہیں:

”پھر یہ عہد ہے کہ رسم ورواج کے پیچھے نہیں چلیں گے۔ (ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دین کے معاملے میں کوئی ایسی رسم پیدا کرتا ہے جس کا دین سے کوئی تعلق نہیں تو وہ رسم مردود اور غیر مقبول ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علیٰ صلح جور… حدیث 2697)

پس اس بارے میں ہر وقت ہمیں بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔ آجکل شادی بیاہ کے معاملے میں غلط قسم کے رسوم ورواج پیدا ہو گئے ہیں۔ احمدیوں کو اس سے بچنا چاہئے۔ اپنے دائیں بائیں دیکھ کر، دوسروں کو دیکھ کر ان رسوم میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اس بارے میں تفصیل سے بھی ایک دفعہ مَیں بتا چکا ہوں۔ سیکرٹریان تربیت اور لجنہ کو چاہئے کہ وہ وقتاً فوقتاً جماعت کے سامنے یہ باتیں رکھتے رہیں تا کہ غیر مقبول فعل سے افراد جماعت بچتے رہیں۔

پھر یہ عہد ہے کہ کبھی ہوا وہوس کے پیچھے نہیں چلوں گا۔ (ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”جو کوئی اپنے ربّ کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور اپنے نفس کی خواہشوں کو روکتا ہے **تو جنّت اس کا مقام ہے۔ ہوائے نفس کو روکنا یہی فنا فی اللہ ہونا ہے** اور اس سے انسان خداتعالیٰ کی رضا کو حاصل کر کے اِسی جہان میں مقام جنت کو پہنچ سکتا ہے“

(ملفوظات جلد7 صفحہ 414،413 ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پھر یہ عہد ہے کہ قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کروں گا۔

(ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”سو تم ہوشیار رہو اور خدا کی تعلیم اور قرآن کی ہدایت کے برخلاف ایک قدم بھی نہ اٹھاؤ۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو شخص قرآن کے سات سو 700 حکم میں سے ایک چھوٹے سے حکم کو بھی ٹالتا ہے وہ نجات کا دروازہ اپنے ہاتھ سے اپنے پر بند کرتا ہے“

(کشتی نوح، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 26)

پھر یہ عہد ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان کو ہم اپنے لئے مشعل راہ بنائیں گے۔ (ماخوذ از ازالہ اوہام روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 564)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ”ہمارا صرف ایک ہی رسول ہے اور صرف ایک ہی قرآن شریف اس رسول پر نازل ہوا ہے جس کی تابعداری سے ہم خدا کو پا سکتے ہیں“۔

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 125۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس اس کے حصول کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔“

(خطبہ جمعہ بیان فرمودہ مورخہ 2 جنوری 2015ء، خطبات مسرور جلد 13 صفحہ 11، 12)

ارشاد باری تعالیٰ

ہر ایک غلطی اور شبہ سے پاک کتاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۲﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔ (البقرة:2، 3)

ترجمہ: ’’میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ یہی کامل کتاب ہے، اس (امر) میں کوئی شک نہیں، متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے۔‘‘ (تفسیر صغیر)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

’’اَنَا اللّٰہُ اَعۡلَمُ یعنی کہ میں جو خدائے عالم الغیب ہوں میں نے اس کتاب کو اُتارا ہے۔ پس چونکہ خدا اس کتاب کی علّت فاعلی ہے اس لئے اس کتاب کا فاعل ہر ایک فاعل سے زبردست اور کامل ہے اور علت مادی کے کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ فقرہ کہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ یعنی یہ وہ کتاب ہے جس نے خدا کے علم سے خلعت وجود پہنا ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ خدا تعالیٰ کا علم تمام علوم سے کامل تر ہے اور علت صوری کے کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے یہ فقرہ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ یعنی یہ کتاب ہر ایک غلطی اور شک وشبہ سے پاک ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ جو کتاب خدا تعالیٰ کے علم سے نکلی ہے وہ اپنی صحت اور ہر ایک عیب سے مبرا ہونے میں بے مثل وبے مانند ہے اور لاریب ہونے میں اکمل اور اتم ہے اور علت غائی کے کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے یہ فقرہ کہ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی یہ کتاب ہدایت کامل متقین کے لئے ہے اور جہاں تک انسانی سرشت کے لئے زیادہ سے زیادہ ہدایت ہو سکے وہ اس کتاب کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔‘‘

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 136، 137 حاشیہ)

ارشاد نبوی ﷺ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا نشان عطا ہوا

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنَ الأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن باب کیف نزل الوحی واول ما نزل حدیث: 4981)

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: انبیاء میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو ایسے ایسے نشانات نہ دیئے گئے ہوں کہ جن کے ذریعہ سے لوگ اس پر ایمان لائے **اور جو نشان مجھے دیا گیا ہے وہ یہ وحی (قرآن کریم) ہے جو اللہ نے میری طرف کی۔** اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ میں قیامت کے دن سب انبیاء سے زیادہ پیرو رکھوں گا۔“

(ترجمہ از صحیح بخاری مترجم جلد 12 صفحہ 513 شائع کردہ اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ)

ھَلْ مِنْ مُعَارِض

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”قرآن شریف وہ کتاب ہے جس نے اپنی عظمتوں اپنی حکمتوں اپنی صداقتوں اپنی بلاغتوں اپنے لطائف و نکات اپنے انوار رُوحانی کا آپ دعویٰ کیا ہے اور اپنا بے نظیر ہونا آپ ظاہر فرما دیا ہے۔ یہ بات ہر گز نہیں کہ صرف مسلمانوں نے فقط اپنے خیال میں اُس کی خوبیوں کو قرار دے دیا ہے بلکہ وہ تو خود اپنی خوبیوں اور اپنے کمالات کو بیان فرماتا ہے اور اپنا بے مثل و مانند ہونا تمام مخلوقات کے مقابلہ پر پیش کر رہا ہے اور بلند آواز سے ھَلْ مِنْ مُعَارِض کا نقارہ بجا رہا ہے اور دقائق حقائق اس کے صرف دو تین نہیں جس میں کوئی نادان شک بھی کرے بلکہ اس کے دقائق تو بحر ذخّار کی طرح جوش مار رہے ہیں اور آسمان کے ستاروں کی طرح جہاں نظر ڈالو چمکتے نظر آتے ہیں۔ کوئی صداقت نہیں جو اس سے باہر ہو کوئی حکمت نہیں جو اِس کے محیطِ بیان سے رہ گئی ہو۔ کوئی نور نہیں جو اس کی متابعت سے نہ ملتا ہو اور یہ باتیں بلا ثبوت نہیں۔ کوئی ایسا امر نہیں جو صرف زبان سے کہا جاتا ہے بلکہ یہ وہ متحقق اور بدیہی الثبوت صداقت ہے کہ جو تیرہ سو برس سے برابر اپنی روشنی دکھلاتی چلی آئی ہے۔“

(براہین احمدیہ حصہ چہارم روحانی خزائن 1 صفحہ 662 تا 664 حاشیہ)

آپ مزید فرماتے ہیں:

”قرآن شریف کے نزول کی **علّت فاعلی** بیان کی اور اس کی عظمت اور بزرگی کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا الٓمّٓ۔ **میں خدا ہوں جو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ یعنی نازل کنندہ اس کتاب**

کا میں ہوں جو علیم و حکیم ہوں جس کے علم کے برابر کسی کا علم نہیں پھر بعد اس کے علّت مادی قرآن کے بیان میں فرمائی اور اس کی عظمت کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ وہ کتاب ہے یعنی ایسی عظیم الشان اور عالی مرتبت کتاب ہے جس کی علت مادی علم الٰہی ہے یعنی جس کی نسبت ثابت ہے کہ اس کا منبع اور چشمہ ذات قدیم حضرت حکیم مطلق ہے اس جگہ اللہ تعالیٰ نے وہ کا لفظ اختیار کرنے سے جو بُعد اور دوری کے لئے آتا ہے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ کتاب اس ذات عالی صفات کے علم سے ظہور پذیر ہے جو اپنی ذات میں بے مثل و مانند ہے جس کے علوم کاملہ واسرار دقیقہ نظر انسانی کی حد جولان سے بہت بعید اور دور ہیں۔ پھر بعد اس کے علّت صوری کا قابل تعریف ہونا ظاہر فرمایا اور کہا لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ یعنی قرآن اپنی ذات میں ایسی صورت مدلل و معقول پر واقعہ ہے کہ کسی نوع کے شک کرنے کی اس میں گنجائش نہیں۔ یعنی وہ دوسری کتابوں کی طرح بطور کتھا اور کہانی کے نہیں بلکہ اَدِلّہ یقینیہ و براہین قطعیہ پر مشتمل ہے اور اپنے مطالب پر حُجج بیّنہ اور دلائل شافیہ بیان کرتا ہے اور فی نفسہ ایک معجزہ ہے جو شکوک اور شبہات کے دور کرنے میں سیف قاطع کا حکم رکھتا ہے۔ اور خداشناسی کے بارے میں صرف ہونا چاہیئے کے ظنی مرتبہ میں نہیں چھوڑتا بلکہ ہے کے یقینی اور قطعی مرتبہ تک پہنچاتا ہے۔

یہ تو علل ثلاثہ کی عظمت کا بیان فرمایا اور پھر باوجود عظیم الشان ہونے ان ہر سہ علّتوں کے جن کو تاثیر اور اصلاح میں دخل عظیم ہے علّت رابعہ یعنی علّت غائی نزول قرآن شریف کو جو رہنمائی اور ہدایت ہے صرف متقین میں منحصر کر دیا اور فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی یہ کتاب صرف ان جواہر قابلہ کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے جو بوجہ پاک باطنی و عقل سلیم و فہم مستقیم و شوق طلب حق و نیت صحیح انجام کار درجہ ایمان و خداشناسی و تقویٰ کامل پر پہنچ جائیں گے یعنی جن کو خدا اپنے علم قدیم سے جانتا ہے کہ ان کی فطرت اس ہدایت کے مناسب حال واقعہ ہے اور وہ معارف حقانی میں ترقی کر سکتے ہیں وہ بالآخر اس کتاب سے ہدایت پا جائیں گے اور بہرحال یہ کتاب ان کو پہنچ رہے گی اور قبل اس کے جو وہ مریں خدا ان کو راہ راست پر آنے کی توفیق دے دے گا۔ اب دیکھو اس جگہ خدائے تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ

کے علم میں ہدایت پانے کے لائق ہیں اور اپنی اصل فطرت میں صفت تقویٰ سے متّصف ہیں **وہ ضرور ہدایت پا جائیں گے** اور پھر ان آیات میں جو اس آیت کے بعد میں لکھی گئی ہیں اسی کی زیادہ تر تفصیل کر دی اور فرمایا کہ جس قدر لوگ (خدا کے علم میں) ایمان لانے والے ہیں وہ اگرچہ ہنوز مسلمانوں میں شامل نہیں ہوئے پر آہستہ آہستہ سب شامل ہو جائیں گے اور وہی لوگ باہر رہ جائیں گے جن کو خدا خوب جانتا ہے کہ طریقہ حقّہ اسلام قبول نہیں کریں گے اور گو ان کو نصیحت کی جائے یا نہ کی جائے ایمان نہیں لائیں گے یا مراتب کاملہ تقویٰ و معرفت تک نہیں پہنچیں گے غرض ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے کھول کر بتلا دیا کہ ہدایت قرآنی سے صرف متقی مُنْتَفِعْ ہو سکتے ہیں جن کی اصل فطرت میں غلبہ کسی ظلمت نفسانی کا نہیں اور یہ ہدایت ان تک ضرور پہنچ رہے گی۔ لیکن جو لوگ متقی نہیں ہیں۔ نہ وہ ہدایت قرآنی سے کچھ نفع اٹھاتے ہیں اور نہ یہ ضرور ہے کہ خواہ نخواہ ان تک ہدایت پہنچ جائے۔‘‘

(براہین احمدیہ چہار حصص، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 200 تا 202 حاشیہ)

کَلَامُ الْاِمَام

یہ شفاء اور رحمت ہے مومنین کے لئے

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ۔(البقرۃ:2،3)

”دنیا میں، جب سے یہ دنیا قائم ہے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی اصلاح کے لئے بے شمار نبی بھیجے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی قوموں کے لئے شریعت لے کر آئے جو کتاب ان پر اتری اس کے احکام انہوں نے اپنی قوم کو بتائے، کچھ ان نبیوں کی پیروی میں بھی تھے جو اس شریعت کو آگے چلانے والے تھے، تو بہرحال نبیوں کا یہ سلسلہ اپنی اپنی قوم تک محدود رہا، یہاں تک کہ انسان کامل اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی شریعت بھی کامل کی اور آخری شرعی کتاب قرآن کریم کی صورت میں نازل فرمائی جس میں گزشتہ انبیاء کے تمام واقعات بھی آگئے اور تمام شرعی احکام بھی اس میں آگئے اور آئندہ کی پیش خبریاں بھی اس میں آگئیں۔ اور تمام علوم موجودہ بھی اور آئندہ بھی، ان کا بھی اس میں احاطہ ہوگیا گویا کہ علم و عرفان کا ایک چشمہ جاری ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ ایک ایسا چشمہ ہے جو پاک دل ہوکر اس سے فیض اٹھانا چاہے وہ اس سے فائدہ اٹھائے گا۔ وہ تقویٰ میں بھی آگے بڑھے گا، وہ ہدایت پانے والوں میں بھی شمار ہوگا کیونکہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور یہ متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ”اس کے فیوض اور برکات کا در ہمیشہ جاری ہے۔ اور وہ ہر زمانے میں اسی طرح نمایاں اور درخشاں ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں تھا۔ **تقویٰ میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو قرآن کریم کو پڑھیں۔**“

(الفضل انٹرنیشنل مؤرخہ 8 اکتوبر 2004 تا 14 اکتوبر 2004 جلد 11 شمارہ 41 صفحہ 5)

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”پس ایک پہلا دَور تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور آپ نے

اس تعلیم کے ذریعہ سے جو آپ پر اتری، دنیا کی انتہائی بگڑی ہوئی حالت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ لوگ جو جاہل اور ذرا ذرا سی بات پر جانوروں کی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے، اُن پر خوبصورت آیات تلاوت کیں۔ انہیں اس خوبصورت تعلیم کے ذریعہ سے پاک کیا۔ جاہل اور اُجڈ لوگوں کو پُر معارف اور پُر حکمت تعلیم سے مالا مال کر دیا۔ اُنہیں اس خوبصورت کتاب سے جو واحد الٰہی صحیفہ ہے جس نے تاقیامت تمام علوم و حکمت کی باتوں کا احاطہ کیا ہوا ہے، اُس سے روشناس کروایا۔ جس سے جانوروں کی طرح زندگی گزارنے والے انسان بنے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے یہ لوگ انسان بنے اور پھر انسان سے تعلیم یافتہ انسان بنے اور پھر تعلیم یافتہ انسان سے باخدا انسان بنے۔

اس دَور میں اب پھر ہم پر اللہ تعالیٰ نے یہ احسان فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کو بھیجا ہے تا کہ آیات پڑھ کر سنائے۔ الٰہی نشانات سے ہماری روحانیت میں اضافہ کرے، ہمارے ایمان اور یقین میں اضافہ کرے، ہماری زندگیوں کو صحیح رہنمائی کرتے ہوئے پاک کرے، ہمیں اس الٰہی کتاب کی حقیقت اور اس کے اسرار سے آگاہ کرے، ہمیں بتائے کہ شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَۃٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۙ وَ لَا یَزِیۡدُ الظّٰلِمِیۡنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل:83) کہ <u>**یہ شفاء اور رحمت ہے مومنین کے لئے**</u>۔ یہ عظیم کتاب ہمارے لئے شفا کس طرح ہے؟ اس آخری شریعت کی تعلیم میں جو پُر حکمت موتی پوشیدہ ہیں اُس سے ہمیں آگاہی دے۔ پس یہ احسان ہے جو مؤمنوں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو صرف اور صرف آج اُس عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور اُن پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ماننے والے، اُس پر چلنے والے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا کرنے والے ہیں۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 25مارچ 2011ء، خطبات مسرور جلد 9 صفحہ 142، 143)

23۔ شہادۃ القرآن علی نزول المسیح الموعود فی آخر الزمان

اے۔ ولیم

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔"

("ملفوظات" حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 7 صفحہ 224 ایڈیشن 2022ء)

تعارف:

حضرت اقدس علیہ السلام کی یہ کتاب 105 صفحات پر مشتمل ستمبر 1893ء کی تصنیف ہے، جو کہ روحانی خزائن جلد 6 کے صفحات 297 تا 401 پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ اگست 1893ء کے اواخر میں منشی عطا محمد صاحب نے ایک مطبوعہ خط حضرت اقدسؑ کی خدمت میں بھیجا۔ منشی عطا محمد صاحب بٹالہ ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے اور امرتسر کی کچہری ضلع میں وہ اہل مد (عدالت کے کاغذات کا محافظ) تھے اور سر سید احمد خاں مرحوم کے گرویدہ تھے۔ اور نیچری خیالات کے حامل تھے۔ اور امرتسر میں ان کی کافی شہرت تھی۔ یہ صاحب وفات مسیح کے قائل تھے۔ اور یہ بھی مانتے تھے کہ احادیث میں نزول عیسیٰ کی پیشگوئی موجود ہے لیکن احادیث کو ساقط الاعتبار سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے آپؑ سے مسیح موعود کے دعویٰ پر قرآنی دلائل کا مطالبہ کیا۔ اسی لئے آپؑ نے اس کے جواب میں جو کتاب لکھی اس کا نام "شہادۃ القرآن" رکھا۔

یہ کتاب اس موضوع کے اعتبار سے منفرد اور لاجواب کتاب ہے اور خاص طور پر حدیث کے مقام و مرتبہ

اور حجت ہونے کے اعتبار سے جو اس زمانہ میں افراط و تفریط کا شکار ہو رہا تھا اس پس منظر میں حکم وعدل کی یہ ایک زبردست تصنیف ہے۔ حدیث کے مقام پر جو آپؑ نے لکھا اور جو معیار آپؑ نے پیش کیا وہ چودہ سو سال تک کسی نے نہیں کیا۔ اس سے پہلے مباحثہ لدھیانہ میں یہ مضمون ایک اور رنگ میں بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد یہ کتاب اور اس کے علاوہ ایک اور رسالہ ریویو بر مباحثہ بٹالوی چکڑالوی (کشتی نوح میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے) حضرت اقدس علیہ السلام کی یہ تین کتابیں اس مضمون پر اصولی کتابیں کہی جا سکتی ہیں۔

حضرت اقدسؑ ان صاحب کے سوال اور اس کا جواب دیتے ہوئے کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''ایک صاحب عطا محمد نام اپنے خط مطبوعہ اگست 1893ء میں مجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ اس بات پر کیا دلیل ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں یا کسی مسیح کا ہم کو انتظار کرنا واجب و لازم ہے۔

اِس جگہ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ صاحب معترض کا یہ مذہب ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام در حقیقت فوت ہو گئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں بتصریح موجود ہے لیکن وہ اِس بات سے منکر ہیں کہ عیسیٰ کے نام پر کوئی اِس امّت میں آنے والا ہے۔ وہ مانتے ہیں کہ احادیث میں یہ پیشگوئی موجود ہے مگر احادیث کے بیان کو وہ پایۂ اعتبار سے ساقط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث زمانہ دراز کے بعد جمع کی گئی ہیں اور اکثر مجموعہ احاد ہے مفید یقین نہیں ہیں اِس لئے وہ مسیح موعود کی خبر کو جو احادیث کے رُو سے ثابت ہے حقیقت مثبتہ خیال نہیں کرتے اور ایسے اخبار کو جو محض حدیث کی رُو سے بیان کئے جائیں ہیچ اور لغو خیال کرتے ہیں جن کا ان کی نظر میں کوئی بھی قابل قدر ثبوت نہیں اِس لئے اِس مقام میں اُن کے مذاق پر جواب دینا ضروری ہے۔ سو واضح ہو کہ اس مسئلہ میں دراصل تنقیح طلب تین[3] امر ہیں۔

<u>اوّل</u> یہ کہ مسیح موعود کے آنے کی خبر جو حدیثوں میں پائی جاتی ہے کیا یہ اس وجہ سے ناقابل اعتبار ہے کہ حدیثوں کا بیان مرتبہ یقین سے دور و مہجور ہے۔

<u>دوسرے</u> یہ کہ کیا قرآن کریم میں اِس پیشگوئی کے بارے میں کچھ ذکر ہے یا نہیں۔

<u>تیسرے</u> یہ کہ اگر یہ پیشگوئی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے تو اِس بات کا کیا ثبوت کہ اُس کا مصداق یہی عاجز ہے۔'' (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 297)

حدیث کا اعلیٰ مقام و مرتبہ:

قارئین ان تنقیحات سے ہی بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ کس پایہ کا اور معرکۃُ الآراء مضمون بیان ہوا ہو گا۔ سب

سے پہلے آپؑ نے حدیث کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کو تفصیل سے بیان کیا اور فرمایا کہ اگر حدیثوں کو بے بنیاد اور شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا جائے تو گویا اسلام کا بہت سا حصہ اپنے ہاتھ سے نابود کرنے کے مترادف ہوگا۔ پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ:

''سو واضح ہو کہ اس یقین کے بہم پہنچانے کیلئے تعامل قومی کا سلسلہ نہایت تسلّی بخش نمونہ ہے مثلاً وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز فجر کی اس قدر رکعت اور نماز مغرب کی اِس قدر رکعات ہیں اگرچہ فرض کرو کہ ایسی حدیثیں دو یا تین ہیں اور بہر حال احاد سے زیادہ نہیں مگر کیا اِس تحقیق اور تفتیش سے پہلے لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے اور حدیثوں کی تحقیق اور راویوں کا پتہ ملنے کے بعد پھر نمازیں شروع کرائی گئیں تھیں بلکہ کروڑہا انسان اسی طرح نماز پڑھتے تھے اور اگر فرض کے طور پر حدیثوں کے اسنادی سلسلہ کا وجود بھی نہ ہوتا۔ تاہم اس سلسلہ تعامل سے قطعی اور یقینی طور پر ثابت تھا کہ نماز کے بارے میں اسلام کی مسلسل تعلیم **وقتًا بعد وقتٍ** اور **قرنًا بعد قرنٍ** یہی چلی آئی ہے۔ ہاں احادیث کی اسناد مرفوعہ متصلہ نے اس سلسلہ کو **نورٌ علیٰ نور** کر دیا۔ پس اگر اس قاعدہ سے احادیث کو دیکھا جائے تو اُن کے اکثر حصہ کو جس کا معین اور مددگار سلسلہ تعامل ہے احاد کے نام سے یاد کرنا بڑی غلطی ہوگی اور درحقیقت یہی ایک بھاری غلطی ہے جس نے اِس زمانہ کے نیچریوں کو صداقت اسلام سے بہت ہی دُور ڈالدیا۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ گویا اسلام کی وُہ تمام سنن اور رسوم اور عبادات اور سوانح اور تواریخ جن پر حدیثوں کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ صرف چند حدیثوں کی بنا پر ہی قائم ہیں حالانکہ یہ اُن کی فاش غلطی ہے بلکہ جس تعامل کے سلسلہ کو ہمارے نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا تھا وہ ایسا کروڑہا انسانوں میں پھیل گیا تھا کہ اگر محدثین کا دُنیا میں نام ونشان بھی نہ ہوتا تب بھی اس کو کچھ نقصان نہ تھا۔ یہ بات ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے کہ اس مقدس معلم اور مقدس رسول ﷺ نے تعلیم کی باتوں کو ایسا محدود نہیں رکھا تھا کہ صرف دو چار آدمیوں کو سکھلائی جائیں اور باقی سب اس سے بے خبر ہوں اگر ایسا ہوتا تو پھر اسلام ایسا بگڑتا کہ کسی مُحدّث وغیرہ کے ہاتھ سے ہرگز درست نہیں ہو سکتا تھا۔ اگرچہ ائمہ حدیث نے دینی تعلیم کی نسبت ہزارہا حدیثیں لکھیں مگر سوال تو یہ ہے کہ وہ کونسی حدیث ہے کہ جو ان کے لکھنے سے پہلے اُس پر عمل نہ تھا اور دُنیا اس مضمون سے غافل تھی اگر کوئی ایسی تعلیم یا ایسا واقعہ یا ایسا عقیدہ ہے جو اس کی بنیادی اینٹ صرف ائمہ حدیث نے ہی کسی روایت کی بناء پر رکھی ہے اور تعامل کے سلسلہ میں جس کے کروڑہا افراد انسانی قائل ہوں اس کا کوئی اثر ونشان دکھائی نہیں دیتا اور نہ قرآن کریم میں اس کا کچھ ذکر پایا جاتا ہے تو بلاشبہ ایسی خبر واحد جس کا پتہ بھی سو ڈیڑھ سو برس کے بعد لگا یقین کے درجہ سے بہت ہی نیچے گری ہوئی ہوگی اور جو کچھ اُس کی ناقابل تسلّی ہونے کی نسبت کہو وہ بجا ہے لیکن ایسی حدیثیں درحقیقت دین اور سوانح اسلام سے کچھ بڑا تعلق نہیں رکھتیں بلکہ اگر سوچ کر دیکھو تو ائمہ حدیث نے ایسی حدیثوں کا بہت ہی کم ذکر کیا ہے جن کا تعامل کے سلسلہ میں نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔

پس جیسا کہ بعض جاہل خیال کرتے ہیں یہ بات ہر گز صحیح نہیں ہے کہ دُنیا نے دین کے صدہا ضروری مسائل یہاں تک کہ صوم و صلوٰۃ بھی صرف امام بخاری اور مُسلم وغیرہ کی احادیث سے سیکھے ہیں۔ کیا سو ڈیڑھ سو برس تک لوگ بے دین ہی چلے آتے تھے کیا وہ لوگ نماز نہیں پڑھتے تھے زکوٰۃ نہیں دیتے تھے حج نہیں کرتے تھے اور ان تمام اسلامی عقائد کے امور سے جو حدیثوں میں لکھے ہیں بے خبر تھے حاشا و کلّا ہر گز نہیں اور جو کوئی ایسا خیال کرے اس کا حمق ایک تعجب انگیز نادانی ہے۔ پھر جبکہ بخاری اور مسلم وغیرہ ائمہ حدیث کے زمانہ سے پہلے بھی اسلام ایسا ہی سر سبز تھا جیسا کہ ان اماموں کی تالیفات کے بعد تو پھر یہ خیال کس قدر بے تمیزی اور نا سمجھی ہے کہ سراسر تحکم کی راہ سے یہ اعتقاد کر لیا جائے کہ صرف دوسری صدی کی روایتوں کے سہارے سے اسلام کا وہ حصہ پُھولا پَھلا ہے جس کو حال کے زمانہ میں احادیث کہتے ہیں اور افسوس تو یہ کہ مخالف تو مخالف ہمارے مذہب کے بے خبر لوگوں کو بھی یہی دھوکا لگ گیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ گویا ایک مدّت کے بعد صرف حدیثی روایات کے مطابق بہت سے مسائل اسلام کے ایسے لوگوں کو تسلیم کرائے گئے ہیں کہ جو اُن حدیثوں کے قلمبند ہونے سے پہلے اُن مسائل سے بکلّی غافل تھے بلکہ حق بات جو ایک بدیہی امر کی طرح ہے یہی ہے کہ آئمہ حدیث کا اگر لوگوں پر کچھ احسان ہے تو صرف اس قدر کہ وہ امور جو ابتدا سے تعامل کے سلسلہ میں ایک دُنیا اُن کو مانتی تھی اُن کی اسناد کے بارے میں اُن لوگوں نے تحقیق اور تفتیش کی اور یہ دکھلا دیا کہ اُس زمانہ کی موجودہ حالت میں جو کچھ اہل اسلام تسلیم کر رہے ہیں یا عمل میں لا رہے ہیں یہ ایسے امور نہیں جو بطور بدعات اسلام میں اب مخلوط ہو گئے ہیں بلکہ یہ وہی گفتار و کردار ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی تھی۔

افسوس کہ اس صحیح اور واقعی امر کے سمجھنے میں غلط فہمی کر کے کوتہ اندیش لوگوں نے کس قدر بڑی غلطی کھائی جس کی وجہ سے آج تک وہ حدیثوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اگرچہ یہ تو سچ ہے کہ حدیثوں کا وہ حصہ جو تعامل قولی و فعلی کے سلسلہ سے باہر ہے اور قرآن سے تصدیق یافتہ نہیں یقین کامل کے مرتبہ پر مسلّم نہیں ہو سکتا لیکن وہ دوسرا حصہ جو تعامل کے سلسلہ میں آگیا اور کروڑہا مخلوقات ابتدا سے اُس پر اپنے عملی طریق سے محافظ اور قائم چلی آئی ہے اس کو ظنّی اور شکّی کیونکر کہا جائے۔ ایک دُنیا کا مسلسل تعامل جو بیٹوں سے باپوں تک اور باپوں سے دادوں تک اور دادوں سے پڑدادوں تک بدیہی طور پر مشہور ہو گیا اور اپنے اصل مبدء تک اس کے آثار اور انوار نظر آ گئے اس میں تو ایک ذرّہ شک کی گنجائش نہیں رہ سکتی اور بغیر اس کے انسان کو کچھ بن نہیں پڑتا کہ ایسے مسلسل عمل درآمد کو اوّل درجہ کے یقینیات میں سے یقین کرے پھر جبکہ ائمہ حدیث نے اس سلسلہ تعامل کے ساتھ ایک اور سلسلہ قائم کیا اور امور تعاملی کا اسناد راست گو اور متدین راویوں کے ذریعہ سے آنحضرت ﷺ تک پہنچا دیا تو پھر بھی اس پر

جرح کرنا در حقیقت ان لوگوں کا کام ہے جن کو بصیرت ایمانی اور عقلِ انسانی کا کچھ بھی حصہ نہیں ملا۔"
(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد6 صفحہ 302 تا 304)

احادیث میں مسیح موعودؑ کی بابت پیشگوئی:

اس کے بعد آپؑ نے **مسیح موعود** کی بابت احادیث میں موجود پیشگوئی کی صیانت و ثقاہت ثابت کرتے ہوئے لکھا: "اب اِس تمہید کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ مسیح موعود کے بارے میں جو احادیث میں پیشگوئی ہے وہ ایسی نہیں ہے کہ جس کو صرف ائمہ حدیث نے چند روایتوں کی بناء پر لکھا ہو وبس بلکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ پیشگوئی عقیدہ کے طور پر ابتداء سے مسلمانوں کے رگ وریشہ میں داخل چلی آتی ہے گویا جس قدر اس وقت روئے زمین پر مسلمان تھے اُسی قدر اس پیشگوئی کی صحت پر شہادتیں موجود تھیں کیونکہ عقیدہ کے طور پر وہ اس کو ابتدا سے یاد کرتے چلے آتے تھے اور **ائمہ حدیث** امام بخاری وغیرہ نے اس پیشگوئی کی نسبت اگر کوئی امر اپنی کوشش سے نکالا ہے تو صرف یہی کہ جب اُس کو کروڑہا مسلمانوں میں مشہور اور زبان زد پایا تو اپنے قاعدہ کے موافق مسلمانوں کے اس قولی تعامل کے لئے روایتی سند کو تلاش کر کے پَیدا کیا اور روایات صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے جن کا ایک ذخیرہ ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اسناد کو دکھایا۔ علاوہ اس کے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اگر نعوذ باللہ یہ افتراء ہے تو اس افترا کی مسلمانوں کو کیا ضرورت تھی اور کیوں اُنہوں نے اس پر اتفاق کر لیا اور کس مجبوری نے ان کو اس افتراء پر آمادہ کیا تھا۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں کہ دُوسری طرف ایسی حدیثیں بھی بکثرت پائی جاتی ہیں جن میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ آخری زمانہ میں علماء اِس امت کے یہودی صفت ہو جائیں گے اور دیانت اور خداترسی اور اندرونی پاکیزگی اُن سے دُور ہو جائے گی اور اُس زمانہ میں صلیبی مذہب کا بہت غلبہ ہوگا اور صلیبی مذہب کی حکومت اور سلطنت تقریباً تمام دنیا میں پھیل جائے گی تو اور بھی ان احادیث کی صحت پر دلائل قاطعہ پیدا ہوتے ہیں کیونکہ کچھ شک نہیں کہ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اور ہمارے اِس زمانہ کے علماء درحقیقت یہودیوں سے مشابہ ہو گئے اور نصاریٰ کی سلطنت اور حکومت ایسی دُنیا میں پھیل گئی کہ پہلے زمانوں میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ پھر جس حالت میں ایک جُز اُس پیشگوئی کا صریح اور صاف اور بدیہی طور پر پُورا ہو گیا تو پھر دُوسری خبر کی صداقت میں کیا کلام رہا۔ یہ بات تو ہر یک عاقل کے نزدیک مسلّم ہے کہ اگر مثلاً ایک حدیث احاد میں سے ہو اور سلسلہ تعامل میں بھی داخل نہ ہو مگر ایک پیشگوئی پر مشتمل ہو کہ وہ اپنے وقت پر پُوری ہو جائے یا اُس کا ایک جُز پُورا ہو جائے تو اس حدیث کی صحت میں کوئی شک باقی نہیں رہے گا۔ مثلاً **نارِ حجاز** کی حدیث جو صحیحین میں درج ہے کچھ شک نہیں کہ احاد میں سے ہے لیکن وہ پیشگوئی قریباً چھ سو 600 برس گذرنے کے بعد بعینہٖ پُوری ہو گئی جس کے پُورے ہونے کے بارے میں انگریزوں کو بھی اقرار ہے اور اُس زمانہ میں پُوری ہوئی کہ جب

صدہا سال ان کتابوں کی تالیف اور شائع ہونے پر بھی گذر چکے تھے تو کیا ان حدیثوں کی نسبت اب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ وہ احادیث اس لیے یقینی طور پر قبول کے لائق نہیں۔ کیونکہ جب اُن کی صداقت کُھل گئی تو پھر ایسا خیال دل میں لانا نہایت بُری اور مکروہ نادانی ہے۔

پس ایسا ہی مسیح موعود کی **پیشگوئی** میں سوچ لو کہ اس میں بھی یہ الفاظ کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً موجود تھے کہ وہ مسیح موعود ایسے وقت میں آئے گا کہ جب حکومت اور قوّت نصاریٰ کی تمام رُوئے زمین پر پھیلی ہوئی ہوگی اور ریل جاری ہوگی اور اکثر زمین کے حصّے زیر کاشت آجائیں گے اور کاشتکاری کی طرف لوگ بہت متوجہ ہوں گے یہاں تک کہ بیل مہنگے ہو جائیں گے اور زمین پر نہروں کی کثرت ہو جائے گی اور دنیوی حالت کی رُو سے امن کا زمانہ ہوگا۔ سو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی ہمارے زمانہ میں پُوری ہو گئی کیونکہ عیسائی سلطنت کا ستارہ اس زمانہ میں ایسے عروج پر پہنچ گیا ہے کہ گویا اس کے سامنے تمام حکومتیں اور ریاستیں کالعدم ہیں اور ریل کی سواری اور نہریں اور کثرت کاشتکاری بھی ہم نے آنکھ سے دیکھ لی۔ اب سوچو کہ کیا اِس پیشگوئی میں وہ غیب کی باتیں نہیں جو انسان کی طاقت سے بالاتر ہیں۔ کیا اسلام کی یہ حالتِ تنزّل اُس زمانہ میں جبکہ اسلام کی شمشیر بجلی کی طرح کفّار پر پڑ رہی تھی کسی کو معلوم تھی؟ کیا کوئی نوع انسان میں سے ایسے غیب پر قادر ہو سکتا ہے کہ ایسی نئی سواری کی خبر دے جس کا پہلے وجود ثابت نہیں ہوتا۔ نظر اُٹھاؤ اور دیکھو اور خوب سوچو کہ کیا یہ **پیشگوئی** ان عظیم الشان پیشگوئیوں میں سے نہیں ہے جو ان کی حقیقت اور ان کے ظہور پر صرف خدا تعالیٰ کا علم ہی محیط ہوتا ہے اور انسان کی کارستانیاں اور مخلوق کے ضعیف منصوبے اس پر مشتبہ نہیں ہو سکتے۔ واضح رہے کہ ان پیشگوئیوں کا ایک عجیب سلسلہ ہے اور ایک نہایت درجہ کی ترتیب ابلغ اور ترکیب محکم سے معارف لطیفہ اور نکات دقیقہ اور امور غیبیہ کے ساتھ مرصع کر کے ذکر فرمایا گیا ہے جس کی بلند شان تک ہرگز انسان کی رسائی نہیں مثلاً اوّل وہ پیشگوئیاں بیان فرمائیں جو اسلام کی ترقی کا زمانہ تھا اور انہیں پیشگوئیوں کے ضمن میں فرمایا کہ **کسریٰ** ہلاک ہوگا اور پھر بعد اس کے کسریٰ نہیں ہوگا۔ اور **قیصر** ہلاک ہوگا اور پھر بعد اس کے قیصر نہیں ہوگا اور اسلام ترقی کرے گا اور پھیلے گا اور ہر ایک قوم میں داخل ہوگا۔ اور پھر فرمایا کہ اِس اُمّت پر ایک آخری زمانہ آئے گا کہ اکثر علماء اِس اُمت کے یہود کے مشابہ ہو جائیں گے اور دیانت اور تقویٰ ان میں سے جاتی رہے گی جُھوٹے فتوے اور مکاریاں اور منصوبے اُن کا دین ہوگا اور دنیوی لالچوں میں گرفتار ہو جائیں گے اور یہود کے ساتھ شدّت سے مشابہت پَیدا کر لیں گے یہاں تک کہ اگر کسی یہودی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہے تو وہ بھی کریں گے۔ اور ایسا ہی اس زمانہ میں قوم نصاریٰ دُنیا میں پھیل جائے گی اور دُوسری قوموں کو مغلوب کر لے گی اور دین کی محبّت دلوں سے ٹھنڈی ہو جائے گی اور زہرناک ہواؤں کے چلنے کی وجہ سے دین اسلام ایک مسلسل اور غیر منقطع خطرات میں پڑ جائے گا۔ تب مصیبتیں

پڑیں گی اور آفتیں زیادہ ہوں گی اور مسلمانوں کے دِلوں سے تقویٰ جاتی رہے گی اور بہتر ہو گا کہ ایک شخص اکیلا بسر کرے اور بکریوں کے دُودھ پر قناعت رکھے اور مسلمانوں کی جماعت کا نام نہ لیوے۔ اور فرمایا کہ جب تُو ایسا حال دیکھے تو ان سب فرقوں کو چھوڑ دے اور کسی درخت کی جڑھوں کو دانت مار یہاں تک کہ تیری جان نکل جائے اور پھر اِسی ضمن میں مسیح موعود کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کہ اس کے ہاتھ سے عیسائی دین کا خاتمہ ہو گا اور فرمایا کہ وہ اُن کی صلیب کو توڑے گا۔ اور یہ نہ فرمایا کہ وہ اُن کی حکومت کو پامال کرے گا۔ یہ اِس بات کی طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود کی سلطنت روحانی ہو گی اور اس دُنیا کی حکومتوں سے اس کو کچھ بھی سروکار نہ ہو گا بلکہ وہ اپنی برکات کے زور سے لڑے گا اور اپنے خوارق کے ہتھیاروں سے میدان میں آئے گا یہاں تک کہ صلیب کی رونق اور عظمت کو توڑ دے گا اور عیسائیت کے بے برکت اور منحوس عقیدوں کا پردہ کھول دے گا کیونکہ اس کا نُور ایک تلوار کی طرح چمکے گا اور جس طرح بجلی گرتی ہے اُسی طرح کُفر کی ظلمت پر گرے گا یہاں تک کہ حق کے طالب سمجھ جائیں گے کہ وہ زندہ خدا اسلام کے ساتھ ہے۔ یہ تمام پیشگوئیاں احادیث میں ایک دریا کی طرح بہ رہی ہیں اور ایک دوسرے سے اُن کا ایسا تعلق ہے کہ ایک کی تکذیب سے دُوسری کی تکذیب لازم آتی ہے اور ایک کے ماننے سے دوسری بھی ماننی پڑتی ہے پھر ایسی مسلسل اور مرتب اور محکم اور بانظام پیشگوئیوں میں کون شک کر سکتا ہے بجُز اس کے کہ پاگلوں سے زیادہ مخبط الحواس ہو کیا کوئی دانا ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہ تجویز کر سکتا ہے کہ یہ ہزارہا پیشگوئیاں جو خارق عادت امور پر مشتمل ہیں صرف انسان کا افترا ہے۔ سچ بات یہ ہے کہ مرتب اور بانظام اور عظیم الشان باتوں کا انکار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اُنکے انکار سے ایک انقلاب عظیم لازم آتا ہے اور ایک دُنیا کو بدلانا پڑتا ہے۔

ماسوا اس کے ان پیشگوئیوں میں ان کی صداقت کیلئے ایک عظیم الشان نشان یہ ہے کہ دنیوی انقلابات کے متعلق جو کچھ ان میں درج تھا اور بظاہر وہ سب ناشدنی باتیں تھیں وہ تمام باتیں پُوری ہو گئی ہیں کیونکہ تیرھویں صدی کی ابتدا سے ہی ہر یک اندرونی اور بیرونی آفت میں ترقی ہونے لگی یہاں تک کہ تیرھویں صدی کے خاتمہ تک گویا دین اور اسلامی شوکت اور حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور وہ بلائیں مسلمانوں کے دین اور دُنیا پر نازل ہوئیں کہ گویا اُن کا جہان ہی بدل گیا۔ جب ہم ان بلاؤں کو اپنی نظر کے سامنے رکھ کر پھر ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالتے ہیں جو امام بخاری اور مسلم وغیرہ نے اس وقت سے قریباً گیارہ سو برس پہلے لکھی تھیں اور اس زمانہ میں لکھی تھیں کہ جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور اس کی اندرونی حالت گویا حُسن میں رشکِ یوسف تھی اور اس کی بیرونی حالت اپنی شوکت سے اسکندر رومی کو شرمندہ کرتی تھی تو اپنے نبی کریم کی کامل اور پاک وحی اور عظمت اور جلال اور قوت قدسیہ کو یاد کر کے ہماری رِقّت ایمانی جوش میں آتی ہے اور بلا اختیار رونا آتا ہے۔ سُبحان اللہ وہ کیا نور تھا جس پر آج سے تیرہ سو برس پہلے قبل

از وقت ظاہر کیا گیا کہ اس کی اُمت ابتدا میں کیونکر نشوونما کرے گی اور کیونکر خارق عادت طور پر اپنی ترقی دکھلائے گی اور کیونکر آخری زمانہ میں یک دفعہ نیچے گرے گی اور پھر کیونکر چند صدیوں میں قوم نصاریٰ کا تمام روئے زمین پر غلبہ ہو جائے گا اور یادرہے کہ اسی زمانہ کی نسبت مسیح موعود کے ضمن بیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی جو صحیح مسلم میں درج ہے اور فرمایا لَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا یعنی مسیح موعود کے زمانہ میں اُونٹنی کی سواری موقوف ہو جائے گی پس کوئی ان پر سوار ہو کر ان کو نہیں دوڑائے گا اور اور یہ ریل کی طرف اشارہ تھا کہ اس کے نکلنے سے اُونٹوں کے دوڑانے کی حاجت نہیں رہے گی اور اونٹ کو اس لئے ذکر کیا کہ عرب کی سواریوں میں سے بڑی سواری اونٹ ہی ہے جس پر وہ اپنے مختصر گھر کا تمام اسباب رکھ کر پھر سوار بھی ہو سکتے ہیں اور بڑے کے ذکر میں چھوٹا خود ضمناً آجاتا ہے۔ پس حاصل مطلب یہ تھا کہ اس زمانہ میں ایسی سواری نکلے گی کہ اونٹ پر بھی غالب آجائے گی جیسا کہ دیکھتے ہو کہ ریل کے نکلنے سے قریباً وہ تمام کام جو اُونٹ کرتے تھے اب ریلیں کر رہی ہیں۔

پس اس سے زیادہ تر صاف اور منکشف اور کیا پیشگوئی ہوگی چنانچہ اس زمانہ کی قرآن شریف نے بھی خبر دی ہے جیسا کہ فرماتا ہے وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ (التکویر:5) یعنی آخری زمانہ وہ ہے کہ جب اونٹنی بے کار ہو جائے گی یہ بھی صریح ریل کی طرف اشارہ ہے اور وہ حدیث اور یہ آیت ایک ہی خبر دے رہی ہیں اور چونکہ حدیث میں صریح مسیح موعود کے بارے میں یہ بیان ہے اس سے یقیناً یہ استدلال کرنا چاہیئے کہ یہ آیت بھی مسیح موعود کے زمانہ کا حال بتلا رہی ہے اور اجمالاً مسیح موعود کی طرف اشارہ کرتی ہے پھر لوگ باوجود ان آیات بیّنات کے جو آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں ان پیشگوئیوں کی نسبت شک کرتے ہیں اب منصفین سوچ لیں کہ ایسی پیشگوئیوں کی نسبت جن کی غیبی باتیں پوری ہوتی آنکھ سے دیکھی گئیں شک کرنا اگر حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

اِس قدر جو مَیں نے احادیث کی رو سے مسیح موعود کی پیشگوئی کے بارے میں لکھا ہے مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے شخص کے تسلی یاب ہونے کے لئے کافی ہے جو صداقت کو پا کر پھر ناحق کی مخالفت کرنا نہیں چاہتا۔ اور مَیں نے اِس جگہ اصل الفاظ احادیث کو نقل نہیں کیا اور نہ تمام احادیث کے خلاصہ کو لکھا ہے کیونکہ یہ حدیثیں ایسی مشہور اور زبان زد خلائق ہیں کہ دیہات کے چھوٹے چھوٹے طالب العلم بھی اِن کو جانتے ہیں اور اگر مَیں تمام احادیث کو جو اِس باب میں آئی ہیں اِس مختصر رسالہ میں لکھتا تو شائد میں دس[10] جزو تک بھی لکھ کر فارغ نہ ہو سکتا لیکن مَیں ناظرین کو توجہ دلاتا ہوں کہ ضرور وہ صحاح ستہ کی اصل کتابیں یا ان کے تراجم کو غور سے دیکھیں تا انہیں معلوم ہو کہ کس کثرت سے اور کس قوت بیان کے ساتھ اِس قسم کی احادیث موجود ہیں۔‘‘

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 304 تا 309)

آخری زمانے کی علامات:

پھر آپؑ نے قرآن مجید میں مسیح موعودؑ کی بابت جو پیشگوئیاں اور اس کے نزول کی جو علامات اور نشانیاں بیان ہوئی ہیں ان کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے بارہ[12] علامات کا ذکر بیان فرمایا۔ چنانچہ آپؑ تحریر فرماتے ہیں:

''اب اس سے اور کیا تصریح ہو گی کہ اللہ جلّ شانہ، نے **اوّل** آخری زمانہ کی علامت یاجوج ماجوج کا غلبہ یعنی روس اور انگریزوں کا تسلّط بیان فرمایا۔ پھر **دُوسری** علامت بہت سے فرقے پَیدا ہو جانا قرار دیا۔ پھر **تیسری** علامت ان فرقوں کا آپس میں مباحثات کرنا اور موج کی طرح ایک دوسرے پر پڑنا بیان فرمایا۔ پھر **چوتھی** علامت ریل کا جاری ہونا۔ پھر **پانچویں** علامت کتابوں اور اخبار کے شائع ہونے کے ذریعے جیسے چھاپہ خانہ اور تار برقی۔ پھر **چھٹی** علامت نہروں کا نکلنا اور پھر **ساتویں** علامت زمین کی آبادی اور کاشتکاری زیادہ ہو جانا اور پھر **آٹھویں** علامت پہاڑوں کا اُڑایا جانا اور پھر **نویں** علامت تمام علوم وفنون جدیدہ کی ترقی ہونا۔ پھر **دسویں** علامت گناہ اور تاریکی کا پھیلنا اور دُنیا سے تقویٰ اور طہارت اور ایمانی نور اُٹھ جانا پھر **گیارھویں** علامت دابۃ الارض کا ظہور میں آنا یعنی ایسے واعظوں کا بکثرت ہو جانا جن میں آسمانی نُور ایک ذرہ بھی نہیں اور صرف وہ زمین کے کیڑے ہیں اعمال اُن کے دجّال کے ساتھ ہیں اور زبانیں انکی اسلام کے ساتھ یعنی عملی طور پر وہ دجّال کے خادم اور ممسوخ الصورت اور حیوانی شکل ظاہر کر رہے ہیں مگر زبانیں اُن کی انسان کی سی ہیں۔ پھر **بارھویں** علامت مسیح موعود کا پیدا ہونا ہے جس کو کلام الٰہی میں نفخ صور کے استعارہ میں بیان کیا گیا ہے۔''

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد6 صفحہ 320، 321)

تکمیل دین کے بعد مجدد یا نبی کی ضرورت:

منشی عطا محمد صاحب نے اپنے مطبوعہ خط میں لکھا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ.... جب دین کمال کو پہنچ گیا اور نعمت پوری ہو چکی تو پھر نہ کسی مجدد کی ضرورت نہ نبی کی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے حضورؑ نے فرمایا:

''افسوس کہ معترض نے ایسا خیال کر کے خود قرآن کریم پر اعتراض کیا ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس امت میں خلیفوں کے پیدا ہونے کا وعدہ کیا ہے جیسا کہ ابھی گذر چکا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے وقتوں میں دین استحکام پکڑے گا اور تزلزل اور تذبذب دور ہو گا۔ اور خوف کے بعد امن پیدا ہو گا پھر اگر تکمیل دین کے بعد کوئی بھی کارروائی درست نہیں تو بقول معترض کے جو تیس سال کی خلافت ہے وہ بھی باطل ٹھہرتی ہے کیونکہ جب دین کامل ہو چکا تو پھر کسی دوسرے کی ضرورت نہیں۔ لیکن افسوس کہ معترض بے خبر نے ناحق آیت اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ کو پیش

کر دیا۔ ہم کب کہتے ہیں کہ مجدد اور محدث دنیا میں آکر دین میں سے کچھ کم کرتے ہیں یا زیادہ کرتے ہیں بلکہ ہمارا تو یہ قول ہے کہ ایک زمانہ گذرنے کے بعد جب پاک تعلیم پر خیالات فاسدہ کا ایک غبار پڑ جاتا ہے اور حق خالص کا چہرہ چھپ جاتا ہے۔ تب اس خوبصورت چہرہ کو دکھلانے کے لئے مجدد اور محدث اور روحانی خلیفے آتے ہیں نہ معلوم کہ بے چارہ معترض نے کہاں سے اور کس سے سن لیا کہ مجدد اور روحانی خلیفے دنیا میں آکر دین کی کچھ ترمیم و تنسیخ کرتے ہیں۔ نہیں وہ دین کو منسوخ کرنے نہیں آتے بلکہ دین کی چمک اور روشنی دکھانے کو آتے ہیں اور معترض کا یہ خیال کہ ان کی ضرورت ہی کیا ہے صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترض کو اپنے دین کی پرواہ نہیں اور کبھی اس نے غور نہیں کی کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسلام کی ترقی کس کو کہتے ہیں اور حقیقی ترقی کیونکر اور کن راہوں سے ہو سکتی ہے اور کس حالت میں کسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مسلمان ہے یہی وجہ ہے کہ معترض صاحب اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن موجود ہے اور علماء موجود ہیں اور خود بخود اکثر لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف حرکت ہے پھر کسی مجدد کی کیا ضرورت ہے لیکن افسوس کہ معترض کو یہ سمجھ نہیں کہ مجددوں اور روحانی خلیفوں کی اس امت میں ایسے ہی طور سے ضرورت ہے جیسا کہ قدیم سے انبیاء کی ضرورت پیش آتی رہی ہے۔‘‘

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد6 صفحہ 340،339)

الغرض حضرت اقدسؑ نے مسیح موعود کی ضرورت اور بعثت، قرآن اور حدیث کی رو سے تفصیل کے ساتھ ثابت فرمائی اور یہ بھی کہ اس امت میں بھی خلافت کا انعام جاری وساری رہے گا نہ کہ صرف تیس برس تک۔ بلکہ دائمی خلافت کی بشارت ہے۔

اس ضمن میں آپؑ نے سورۃ النور کی آیت استخلاف درج کرنے کے بعد بڑی تفصیل سے بیان فرمایا کہ اس آیت میں قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے خلافت کا وعدہ ہے۔ اور اس کی تفصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

’’اور یہ کہنا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خلافت تیس سال تک ہو گی عجیب فہم ہے جس حالت میں قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاَوَّلِیۡنَ۔ وَ ثُلَّۃٌ مِّنَ الۡاٰخِرِیۡنَ۔ (الواقعہ:40، 41) تو پھر اس کے مقابل پر کوئی حدیث پیش کرنا اور اس کے معنی مخالف قرآن قرار دینا معلوم نہیں کہ کس قسم کی سمجھ ہے اگر حدیث کے بیان پر اعتبار ہے تو پہلے ان حدیثوں پر عمل کرنا چاہئے جو صحت اور وثوق میں اس حدیث پر کئی درجہ بڑھی ہوئی ہیں مثلاً صحیح بخاری کی وہ حدیثیں جن میں آخری زمانہ میں بعض خلیفوں کی نسبت خبر دی گئی ہے خاص کر وہ خلیفہ جس کی نسبت بخاری میں لکھا ہے کہ آسمان سے اس کے لیے آواز آئے گی ھٰذَا خَلِیۡفَۃُ اللّٰہِ الۡمَھۡدِیُّ اب سوچو کہ یہ حدیث کس پایہ اور مرتبہ کی ہے جو ایسی کتاب میں درج ہے جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے لیکن وہ حدیث جو معترض صاحب نے پیش کی

علماء کو اس میں کئی طرح کا جرح ہے اور اس کی صحت میں کلام ہے۔ کیا معترض نے غور نہیں کی کہ جو آخری زمانہ کی نسبت بعض خلیفوں کے ظہور کی خبریں دی گئی ہیں کہ حارث آئے گا۔ مہدی آئے گا۔ آسمانی خلیفہ آئے گا۔ یہ خبریں حدیثوں میں ہیں یا کسی اور کتاب میں۔ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زمانے تین ہیں۔

اول خلافت راشدہ کا زمانہ پھر فیج اعوج جس میں ملک عضوض ہوں گے اور بعد اس کے آخری زمانہ جو زمانہ نبوت کے نہج پر ہو گا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا اول زمانہ اور پھر آخری زمانہ باہم بہت ہی متشابہ ہیں اور یہ دونوں زمانے اس بارش کی طرح ہیں جو ایسی خیر و برکت سے بھری ہوئی ہو کہ کچھ معلوم نہیں کہ برکت اس کے پہلے حصہ میں زیادہ ہے یا پچھلے میں۔"(شھادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 337، 338)

مجدد اور خلیفہ بھیجنے کی حکمت:

اس کے بعد ایک اور زبردست عارفانہ مضمون حضورؑ نے بیان فرمایا ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ کو ضرورت کیوں محسوس ہوئی کہ وہ گاہے گاہے مجدد اور خلفاء دنیا میں بھیجے۔ اس کی حکمت و فلاسفی بیان کرتے ہوئے آپؑ لکھتے ہیں:

"معترض کا یہ خیال کہ ان کی ضرورت ہی کیا ہے صرف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ معترض کو اپنے دین کی پرواہ نہیں اور کبھی اس نے غور نہیں کی کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسلام کی ترقی کس کو کہتے ہیں اور حقیقی ترقی کیونکر اور کن راہوں سے ہو سکتی ہے اور کس حالت میں کسی کو کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقی طور پر مسلمان ہے یہی وجہ ہے کہ معترض صاحب اس بات کو کافی سمجھتے ہیں کہ قرآن موجود ہے اور علماء موجود ہیں اور خود بخود اکثر لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف حرکت ہے پھر کسی مجدد کی کیا ضرورت ہے لیکن افسوس کہ معترض کو یہ سمجھ نہیں کہ مجددوں اور روحانی خلیفوں کی اس امت میں ایسے ہی طور سے ضرورت ہے جیسا کہ قدیم سے انبیاء کی ضرورت پیش آتی رہی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نبی مرسل تھے اور ان کی توریت بنی اسرائیل کی تعلیم کے لئے کامل تھی اور جس طرح قرآن کریم میں آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ ہے اسی طرح توریت میں بھی آیات ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو ایک کامل اور جلالی کتاب دی گئی ہے جس کا نام توریت ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں بھی توریت کی یہی تعریف ہے لیکن باوجود اس کے بعد توریت کے صدہا ایسے نبی بنی اسرائیل میں سے آئے کہ کوئی نئی کتاب ان کے ساتھ نہیں تھی بلکہ ان انبیاء کے ظہور کے مطالب یہ ہوتے تھے کہ تا ان کے موجودہ زمانہ میں جو لوگ تعلیم توریت سے دور پڑ گئے ہوں پھر ان کو توریت کے اصلی منشاء کی طرف کھینچیں اور جن کے دلوں میں کچھ شکوک اور دہریت اور بے ایمانی ہو گئی ہو ان کو پھر زندہ ایمان بخشیں۔ چنانچہ اللہ جلّ شانہٗ خود قرآن کریم میں فرماتا

ہے وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ قَفَّیۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ بِالرُّسُلِ (البقرہ:88)یعنی موسیٰ کو ہم نے توریت دی اور پھر اس کتاب کے بعد ہم نے کئی پیغمبر بھیجے تا توریت کی تعلیم کی تائید اور تصدیق کریں اسی طرح دوسری جگہ فرماتا ہے ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا۔(المومنون:45)یعنی پھر پیچھے سے ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے۔ پس ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ عادت اللہ یہی ہے کہ وہ اپنی کتاب بھیج کر پھر اس کی تائید اور تصدیق کے لئے ضرور انبیاء بھیجا کرتا ہے۔ چنانچہ توریت کی تائید کے لئے ایک ایک وقت میں چار چار سو نبی بھی آیا جن کے آنے پر اب تک بائبل شہادت دے رہی ہے۔

اس کثرت ارسال رسل میں اصل بھید یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عہد موکد ہو چکا ہے کہ جو اس کی سچی کتاب کا انکار کرے تو اس کی سزا دائمی جہنم ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ (البقرہ:40) یعنی جو لوگ کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اب جب کہ سزائے انکار کتاب الٰہی میں ایسی سخت تھی اور دوسری طرف یہ مسئلہ نبوت اور وحی الٰہی کا نہایت دقیق تھا بلکہ خود خدا تعالیٰ کا وجود بھی ایسا دقیق در دقیق تھا کہ جب تک انسان کی آنکھ خدا داد نور سے منور نہ ہو ہرگز ممکن نہ تھا کہ سچی اور پاک معرفت اس کی حاصل ہو سکے چہ جائیکہ اس کے رسولوں کی معرفت اور اسکی کتاب کی معرفت حاصل ہو۔ اس لئے رحمانیت الٰہی نے تقاضا کیا کہ اندھی اور نابینا مخلوق کی بہت ہی مدد کی جائے اور صرف اس پر اکتفانہ کیا جائے کہ ایک مرتبہ رسول اور کتاب بھیج کر پھر باوجود امتداد ازمنہ طویلہ کے ان عقائد کے انکار کی وجہ سے جن کو بعد میں آنے والے زیادہ اس سے سمجھ نہیں سکتے کہ وہ ایک پاک اور عمدہ منقولات ہیں ہمیشہ کی جہنم میں منکروں کو ڈال دیا جائے اور در حقیقت سوچنے والے کے لئے یہ بات نہایت صاف اور روشن ہے کہ وہ خدا جس کا نام رحمن اور رحیم ہے اتنی بڑی سزا دینے کے لئے کیونکر یہ قانون اختیار کر سکتا ہے کہ بغیر پورے طور پر اتمام حجت کے مختلف بلاد کے ایسے لوگوں کو جنہوں نے صدہا برسوں کے بعد قرآن اور رسول کا نام سنا اور پھر وہ عربی سمجھ نہیں سکتے۔ قرآن کی خوبیوں کو دیکھ نہیں سکتے دائمی جہنم میں ڈال دے اور کس انسان کی کانشنس اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ بغیر اس کے کہ قرآن کریم کا منجاب اللہ ہونا اس پر ثابت کیا جائے یوں ہی اس پر چھری پھیر دی جائے۔ پس یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دائمی خلیفوں کا وعدہ دیا تا وہ ظلی طور پر انوار نبوت پا کر دنیا کو ملزم کریں اور قرآن کریم کی خوبیاں اور اس کی پاک برکات لوگوں کو دکھلاویں۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہر یک زمانہ کے لئے اتمام حجت بھی مختلف رنگوں سے ہوا کرتا ہے اور مجدد وقت ان قوتوں اور ملکوں اور کمالات کے ساتھ آتا ہے جو موجودہ مفاسد کا اصلاح پانا ان کمالات پر موقوف ہوتا ہے سو ہمیشہ خدا تعالیٰ اسی طرح کرتا رہے گا جب تک کہ اس کو منظور ہے کہ آثار رشد اور اصلاح کے

دنیا میں باقی رہیں اور یہ باتیں بے ثبوت نہیں بلکہ نظائر متواترہ اس کے شاہد ہیں اور مختلف بلاد کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں کو چھوڑ کر اگر صرف بنی اسرائیل کے نبیوں اور مرسلوں اور محدثوں پر ہی نظر ڈالی جائے تو ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ سو1400 برس کے عرصہ میں یعنی حضرت موسیٰ سے حضرت مسیح تک ہزارہا نبی اور محدث ان میں پیدا ہوئے کہ جو خادموں کی طرح کمربستہ ہو کر توریت کی خدمت میں مصروف رہے۔ چنانچہ ان تمام بیانات پر قرآن شاہد ہے اور بائیبل شہادت دے رہی ہے اور وہ نبی کوئی نئی کتاب نہیں لاتے تھے کوئی نیا دین نہیں سکھاتے تھے صرف توریت کے خادم تھے اور جب بنی اسرائیل میں دہریت اور بے ایمانی اور بدچلنی اور سنگدلی پھیل جاتی تھی تو ایسے وقتوں میں وہ ظہور کرتے تھے۔ اب کوئی سوچنے والا سوچے کہ جس حالت میں موسیٰؑ کی ایک محدود شریعت کے لئے جو زمین کی تمام قوموں کیلئے نہیں تھی اور نہ قیامت تک اس کا دامن پھیلا ہوا تھا خدا تعالیٰ نے یہ احتیاطیں کیں کہ ہزارہا نبی اس شریعت کی تجدید کیلئے بھیجے اور بارہا آنے والے نبیوں نے ایسے نشان دکھلائے کہ گویا بنی اسرائیل نے نئے سرے خدا کو دیکھ لیا تو پھر یہ امت جو خیر الامم کہلاتی ہے اور خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹک رہی ہے کیونکر ایسی بدقسمت سمجھی جائے کہ خدا تعالیٰ نے صرف تیس برس اس کی طرف نظر رحمت کر کے اور آسمانی انوار دکھلا کر پھر اس سے منہ پھیر لیا اور پھر اس امت پر اپنے نبی کریم کی مفارقت میں صدہا برس گذرے اور ہزارہا طور کے فتنے پڑے اور بڑے بڑے زلزلے آئے اور انواع واقسام کی دجالیت پھیلی اور ایک جہان نے دین متین پر حملے کئے اور تمام برکات اور معجزات سے انکار کیا گیا اور مقبول کو نامقبول ٹھہرایا گیا لیکن خدا تعالیٰ نے پھر کبھی نظر اٹھا کر اس امت کی طرف نہ دیکھا اور اس کو کبھی اس امت پر رحم نہ آیا اور کبھی اس کو یہ خیال نہ آیا کہ یہ لوگ بھی تو بنی اسرائیل کی طرح انسان ضعیف البنیان ہیں اور یہودیوں کی طرح ان کے پودے بھی آسمانی آبپاشی کے ہمیشہ محتاج ہیں کیا اس کریم خدا سے ایسا ہو سکتا ہے جس نے اس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے مفاسد کے دور کرنے کے لئے بھیجا تھا کیا ہم یہ گمان کر سکتے ہیں کہ پہلی امتوں پر تو خدا تعالیٰ کا رحم تھا اس لئے اس نے توریت کو بھیج کر پھر ہزارہا رسول اور محدث توریت کی تائید کے لئے اور دلوں کو بار بار زندہ کرنے کے لئے بھیجے لیکن یہ امت مورد غضب تھی اس لئے اس نے قرآن کریم کو نازل کر کے ان سب باتوں کو بھلا دیا اور ہمیشہ کے لئے علماء کو ان کی عقل اور اجتہاد پر چھوڑ دیا اور حضرت موسیٰ کی نسبت تو صاف فرمایا: وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ ۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا۔ (النساء: 165،166) یعنی خدا موسیٰ سے ہمکلام ہوا اور اس کی تائید اور تصدیق کے لئے رسول بھیجے جو مبشر اور منذر تھے تا کہ لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے اور نبیوں کا مسلسل گروہ دیکھ کر توریت پر دلی صدق سے ایمان لاویں۔ اور فرمایا وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ

نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ۔(النساء:165)یعنی ہم نے بہت سے رسول بھیجے اور بعض کا تو ہم نے ذکر کیا اور بعض کا ذکر بھی نہیں کیا لیکن دین اسلام کے طالبوں کے لئے وہ انتظام نہ کیا گو یا جو رحمت اور عنایت باری حضرت موسیٰ کی قوم پر تھی وہ اس امت پر نہیں ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہمیشہ امتداد زمانہ کے بعد پہلے معجزات اور کرامات قصہ کے رنگ میں ہو جاتے ہیں اور پھر آنے والی نسلیں اپنے گروہ کو ہر یک امر خارق عادت سے بے بہرہ دیکھ کر آخر گذشتہ معجزات کی نسبت شک پیدا کرتی ہیں پھر جس حالت میں بنی اسرائیل کے ہزارہا انبیاء کا نمونہ آنکھوں کے سامنے ہے تو اس سے اور بھی بیدلی اس امت کو پیدا ہو گی اور اپنے تئیں بد قسمت پا کر بنی اسرائیل کو رشک کی نگہ سے دیکھیں گے یا بد خیالات میں گرفتار ہو کر ان کے قصوں کو بھی صرف افسانجات خیال کریں گے اور یہ قول کہ پہلے اس سے ہزارہا انبیاء ہو چکے اور معجزات بھی بکثرت ہوئے اس لئے اس امت کو خوارق اور کرامات اور برکات کی کچھ ضرورت نہیں تھی لہٰذا خدا تعالیٰ نے ان کو سب باتوں سے محروم رکھا۔ یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں جنہیں وہ لوگ منہ پر لاتے ہیں جن کو ایمان کی کچھ بھی پرواہ نہیں ورنہ انسان نہایت ضعیف اور ہمیشہ تقویت ایمان کا محتاج ہے اور اس راہ میں اپنے خود ساختہ دلائل کبھی کام نہیں آسکتے جب تک تازہ طور پر معلوم نہ ہو کہ خدا موجود ہے ہاں جھوٹا ایمان جو بدکاریوں کو روک نہیں سکتا نقلی اور عقلی طور پر قائم رہ سکتا ہے اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ دین کی تکمیل اس بات کو مستلزم نہیں جو اس کی مناسب حفاظت سے بکلی دستبردار ہو جائے مثلاً اگر کوئی گھر بنادے اور اس کے تمام کمرے سلیقہ سے طیار کرے اور اس کی تمام ضرورتیں جو عمارت کے متعلق ہیں باحسن وجہ پوری کر دیوے اور پھر مدت کے بعد اندھیریاں چلیں اور بارشیں ہوں اور اس گھر کے نقش و نگار پر گرد و غبار بیٹھ جاوے اور اس کی خوبصورتی چھپ جاوے اور پھر اس کا کوئی وارث اس گھر کو صاف اور سفید کرنا چاہے مگر اس کو منع کر دیا جاوے کہ گھر تو مکمل ہو چکا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ منع کرنا سراسر حماقت ہے۔ افسوس کہ ایسے اعتراضات کرنے والے نہیں سوچتے کہ تکمیل شے دیگر ہے اور وقتاً فوقتاً ایک مکمل عمارت کی صفائی کرنا یہ اور بات ہے۔ یہ یاد رہے کہ مجدد لوگ دین میں کچھ کمی بیشی نہیں کرتے ہاں گمشدہ دین کو پھر دلوں میں قائم کرتے ہیں اور یہ کہنا کہ مجددوں پر ایمان لانا کچھ فرض نہیں خدا تعالیٰ کے حکم سے انحراف ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور:56) یعنی بعد اس کے جو خلیفے بھیجے جائیں پھر جو شخص ان کا منکر رہے وہ فاسقوں میں سے ہے۔

اب خلاصہ اس تمام تقریر کا کسی قدر اختصار کے ساتھ ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ دلائل مندرجہ ذیل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت میں فساد اور فتنوں کے وقتوں میں ایسے مصلح آتے رہیں جن کو انبیاء کے کئی کاموں میں سے یہ ایک کام سپرد ہو کہ وہ دین حق

کی طرف دعوت کریں اور ہر یک بدعت جو دین سے مل گئی ہو اس کو دور کریں اور آسمانی روشنی پاکر دین کی صداقت ہر یک پہلو سے لوگوں کو دکھلاویں اور اپنے پاک نمونہ سے لوگوں کو سچائی اور محبت اور پاکیزگی کی طرف کھینچیں اور وہ دلائل یہ ہیں۔

اول یہ کہ اس بات کو عقل ضروری تجویز کرتی ہے کہ چونکہ الٰہیات اور امور معاد کے مسائل نہایت باریک اور نظری ہیں گویا تمام امور غیر مرئی اور فوق العقل پر ایمان لانا پڑتا ہے نہ خدا تعالیٰ کبھی کسی کو نظر آیا نہ کبھی کسی نے بہشت دیکھی اور نہ دوزخ کا ملاحظہ کیا اور نہ ملائک سے ملاقات ہوئی اور علاوہ اس کے احکام الٰہی مخالف جذبات نفس ہیں اور نفس امارہ جن باتوں میں لذت پاتا ہے احکام الٰہی ان سے منع کرتے ہیں لہٰذا عندالعقل یہ بات نہ صرف احسن بلکہ واجب ہے کہ خدا تعالیٰ کے پاک نبی جو شریعت اور کتاب لے کر آتے ہیں اور اپنے نفس میں تاثیر اور قوت قدسیہ رکھتے ہیں یا تو وہ ایک لمبی عمر لے کر آویں اور ہمیشہ اور ہر صدی میں ہر یک اپنی نئی امت کو اپنی ملاقات اور صحبت سے شرف بخشیں اور اپنے زیر سایہ رکھ کر اور اپنے پُر فیض پروں کے نیچے انکو لے کر وہ برکت اور نور اور روحانی معرفت پہنچاویں جو انہوں نے ابتداء زمانہ میں پہنچائی تھی اور اگر ایسا نہیں تو پھر ان کے وارث جو انہیں کے کمالات اپنے اندر رکھتے ہوں اور کتاب الٰہی کے دقائق اور معارف کو وحی اور الہام سے بیان کر سکتے ہوں اور منقولات کو مشہودات کے پیرایہ میں دکھلا سکتے ہوں اور طالب حق کو یقین تک پہنچا سکتے ہوں ہمیشہ فتنہ اور فساد کے وقتوں میں ضرور پیدا ہونی چاہیئے تا انسان جو مغلوب شبہات و نسیان ہے ان کے فیض حقیقی سے محروم نہ رہے۔ کیونکہ یہ بات نہایت صاف اور بدیہی ہے کہ جب زمانہ ایک نبی کا اپنے خاتمہ کو پہنچتا ہے اور اس کی برکات کے دیکھنے والے فوت ہو جاتے ہیں تو وہ تمام مشہودات منقولات کے رنگ میں آجاتے ہیں۔ پھر دوسری صدی کے لوگوں کی نظر میں اس نبی کے اخلاق اور اس نبی کے عبادات اور اس نبی کا صبر اور استقامت اور صدق اور صفا اور وفا اور تمام تائیدات الٰہیہ اور خوارق اور معجزات جن سے اس کی صحت نبوت اور صداقت دعویٰ پر استدلال ہوتے تھے نئی صدی کے لوگوں کو کچھ قصے سے معلوم ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ انشراح ایمانی اور جوش اطاعت جو نبی کے دیکھنے والوں میں ہوتا ہے دوسروں میں وہ بات پائی نہیں جاتی اور صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمانی صدق دکھلایا اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنی آبروؤں کو اسلام کی راہوں میں نہایت اخلاص سے قربان کیا اس کا نمونہ اور صدیوں میں تو کجا خود دوسری صدی کے لوگوں یعنی تابعین میں بھی نہیں پایا گیا اس کی کیا وجہ تھی؟ یہی تو تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مرد صادق کا منہ دیکھا تھا جس کے عاشق اللہ ہونے کی گواہی کفار قریش کے منہ سے بھی بے ساختہ نکل گئی اور روز کی مناجاتوں اور پیار کے سجدوں کو دیکھ کر اور فنافی الاطاعت کی حالت اور کمال محبت اور دلدادگی کے منہ پر روشن نشانیاں

اور اس پاک منہ پر نور الٰہی برستا مشاہدہ کر کے کہتے تھے عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ کہ محمدؐ اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے اور پھر صحابہ نے صرف وہ صدق اور محبت اور اخلاص ہی نہیں دیکھا بلکہ اس پیار کے مقابل پر جو ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے ایک دریا کی طرح جوش مارتا تھا خدا تعالیٰ کے پیار کو بھی تائیدات خارق عادت کے رنگ میں مشاہدہ کیا تب ان کو پتہ لگ گیا کہ خدا ہے اور ان کے دل بول اٹھے کہ وہ خدا اس مرد کے ساتھ ہے انہوں نے اس قدر عجائبات الٰہیہ دیکھے اور اس قدر نشان آسمانی مشاہدہ کئے کہ ان کو کچھ بھی اس بات میں شک نہ رہا کہ فی الحقیقت ایک اعلیٰ ذات موجود ہے جس کا نام خدا ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں ہریک امر ہے اور جس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں اسی وجہ سے انہوں نے وہ کام صدق وصفا کے دکھلائے اور وہ جانفشانیاں کیں کہ انسان کبھی کر نہیں سکتا۔ جب تک اس کے تمام شک وشبہ دور نہ ہو جائیں اور انہوں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ وہ ذات پاک اسی میں راضی ہے کہ انسان اسلام میں داخل ہو اور اس کے رسول کریم کی بدل و جان متابعت اختیار کرے تب اس حق الیقین کے بعد جو کچھ انہوں نے متابعت دکھلائی اور جو کچھ انہوں نے متابعت کے جوش سے کام کئے اور جس طرح پر اپنی جانوں کو اپنے برگزیدہ ہادی کے آگے پھینک دیا یہ وہ باتیں ہیں کہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ انسان کو حاصل ہو سکیں جب تک کہ وہی بہار اس کی نظر کے سامنے نہ ہو جو صحابہ پر آئی تھی اور جب کہ ان کمالات کو پیدا کرنا بغیر وجود ان وسائل کے محالات میں سے ہے اور نجات کا یقینی طور پر حاصل ہونا بھی بغیر ذریعہ ان کمالات کے از قبیل محال تو ضروری ہوا کہ وہ خداوند کریم جس نے ہر ایک کو نجات کے لئے بلایا ہے ایسا ہی انتظام ہریک صدی کے لئے رکھے تا اس کے بندے کسی زمانہ میں حق الیقین کے مراتب سے محروم نہ رہیں۔" (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 339 تا 347)

پھر خلیفہ کے عظیم مقام اور خلافت کے دائمی رہنے کی بابت فرماتے ہیں:

"ان آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کے لئے اس کا دور ختم ہو گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اس امت پر ہمیشہ کے لئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ روحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنے والے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ سو 1300 برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مذہب کے لئے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریم کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبّر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہوسکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ در حقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظر انداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہرگز نہیں تھا کہ رسول کریم کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے پھر بعد اس کے دنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پرواہ نہیں بلکہ پہلے دنوں میں تو خلیفوں کا ہونا بجز شوکت اسلام پھیلانے کے کچھ اور زیادہ ضرورت نہیں رکھتا تھا کیونکہ انوار رسالت اور کمالات نبوت تازہ بتازہ پھیل رہے تھے اور ہزارہا معجزات بارش کی طرح ابھی نازل ہو چکے تھے اور اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اس کی سنت اور قانون سے یہ بھی بعید نہ تھا کہ بجائے ان چار خلیفوں کے اس تیس برس کے عرصہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کو ہی بڑھا دیتا اس حساب سے تیس برس کے ختم ہونے تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کل 93 برس کی عمر تک پہنچتے اور یہ اندازہ اس زمانہ کی مقررہ عمروں سے نہ کچھ زیادہ اور نہ اس قانون قدرت سے کچھ بڑھ کر ہے جو انسانی عمروں کے بارے میں ہماری نظر کے سامنے ہے۔

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اس کو صرف اس امت کے تیس 30 برس کا ہی فکر تھا اور پھر ان کو ہمیشہ کے لئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی امت میں خلافت کے آئینہ میں وہ دکھلاتا رہا اس امت کے لیے دکھلانا اس کو منظور نہ ہوا۔ کیا عقل سلیم خدائے رحیم و کریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کرے گی ہرگز نہیں اور پھر یہ آیت خلافت ائمہ پر گواہ ناطق ہے۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء:106) کیونکہ یہ آیت صاف صاف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی ہے اس لئے کہ يَرِثُهَا کا لفظ دوام کو چاہتا ہے وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہو تو زمین کے وارث وہی قرار پائیں گے نہ کہ صالح اور سب کا وارث وہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔

پھر اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ جس حالت میں خدا تعالیٰ نے ایک مثال کے طور پر سمجھا دیا تھا کہ میں اسی طور پر اس امت میں خلیفے پیدا کرتا رہوں گا جیسے موسیٰ کے بعد خلیفے پیدا کئے تو دیکھنا چاہیئے تھا کہ موسیٰ کی وفات کے

بعد خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔ کیا اس نے صرف تیس30 برس تک خلیفے بھیجے یا چودہ سو برس تک اس سلسلہ کو لمبا کیا۔ پھر جس حالت میں خدا تعالیٰ کا فضل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ تھا چنانچہ اس نے خود فرمایا وَ کَانَ فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًا (النساء:114) اور ایسا ہی اس امت کی نسبت فرمایا کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ (آل عمران:111) تو پھر کیونکر ہو سکتا تھا کہ حضرت موسیٰ کے خلیفوں کا چودہ1400سو برس تک سلسلہ ممتد ہو اور اس جگہ صرف تیس برس تک خلافت کا خاتمہ ہو جاوے اور نیز جب کہ یہ امّت خلافت کے انوار روحانی سے ہمیشہ کے لئے خالی ہے تو پھر آیت اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ کے کیا معنی ہیں کوئی بیان تو کرے۔ مثل مشہور ہے کہ اوخویشتن گم است کرا رہبری کند۔ جب کہ اس امت کو ہمیشہ کے لئے اندھا رکھنا ہی منظور ہے اور اس مذہب کو مردہ رکھنا ہی مدنظر ہے تو پھر یہ کہنا کہ تم سب سے بہتر ہو اور لوگوں کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا اندھا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے سوا ے لوگو جو مسلمان کہلاتے ہو برائے خدا سوچو کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہمیشہ قیامت تک تم میں روحانی زندگی اور باطنی بینائی رہے گی اور غیر مذہب والے تم سے روشنی حاصل کریں گے اور یہ روحانی زندگی اور باطنی بینائی جو غیر مذہب والوں کو حق کی دعوت کرنے کے لئے اپنے اندر لیاقت رکھتی ہے یہی وہ چیز ہے جس کو دوسرے لفظوں میں خلافت کہتے ہیں پھر کیونکر کہتے ہو کہ خلافت صرف تیس برس تک ہو کر پھر زاویہ عدم میں مخفی ہو گئی۔ اتقوا اللہ۔ اتقوا اللہ۔ اتقوا اللہ۔

اب یادرہے کہ اگرچہ قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ جو اس امت میں خلافت دائمی کی بشارت دیتی ہیں اور احادیث بھی اس بارے میں بہت سی بھری پڑی ہیں۔"

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد6 صفحہ 353 تا355)

صادق کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کا قانون:

اس کے بعد حضورؑ نے قرآن و حدیث سے اپنی صداقت کو ثابت فرمایا ہے۔ اور اپنے دعویٰ کی سچائی کو پرکھنے کا ایک قرآنی اور اصولی معیار پیش کرتے ہوئے لکھا:

"سو عزیزو یقیناً سمجھو کہ صادق کی صداقت ظاہر کرنے کیلئے خدا تعالیٰ کے قدیم قانون میں ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ آسمانی نشانوں سے ایسا ثابت کر دیوے کہ خدا تعالیٰ اس کے ساتھ ہے اور وہ خدا تعالیٰ کا مقبول ہے۔ اَب سوچو کہ اِس عاجز کی طرف سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے دعوے سے کچھ بڑا نہیں ہے پھر ذرا غور کر لو کہ یہ تمام بزرگوار نبی کیونکر دُنیا میں تسلیم کئے گئے کیا بذریعہ آسمانی برکات اور تائیدات کے یا کوئی اور طریق تھا سو سمجھو کہ خدا تعالیٰ کی قدیم سنّت میں تغییر و تبدیل نہیں اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے اور

صرف افترا اور جعلسازی ہے تو انجام بہتر نہیں ہو گا اور خدا تعالیٰ ذلّت کے ساتھ ہلاک کرے گا اور پھر ابد الدہر تک لعن طعن کا نشانہ بنائے رکھے گا کیونکہ اِس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں کہ ایک شخص کہے کہ مَیں منجانب اللہ بھیجا گیا ہوں اور دراصل نہیں بھیجا گیا اور کہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے مکالمہ سے مشرف ہوں اور اس کا کلام میرے دِل پر اُترتا ہے اور میری زبان پر جاری ہوتا ہے حالانکہ نہ کبھی اس سے خدا تعالیٰ کا مکالمہ واقع ہوا اور نہ کبھی خدا تعالیٰ کا کلام اُس کے دِل پر اُترا اور نہ کبھی اُس کی زبان پر جاری ہوا۔ اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ وَھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مِنَ الْمَخْذُوْلِیْنَ۔

لیکن اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اُس نے مجھ کو بھیجا ہے اور اُسی کی طرف سے وہ کلام ہے جس کا مجھ کو الہام ہوتا ہے تو مَیں ہرگز ضائع نہ کیا جاؤں گا اور مَیں ہلاک نہیں ہوں گا بلکہ خدا تعالیٰ اُسے ہلاک کرے گا جو میرے مقابل پر اُٹھے گا اور میرا سدّراہ ہو گا۔ مَیں متعجب ہوں کہ لوگ مسیح موعود کے لفظ کو کیوں عجیب سمجھتے ہیں اور اِس کا ثبوت کیوں مجھ سے مانگتے ہیں حالانکہ عند العقل یہ بات ممتنعات میں سے نہیں ہے کہ مسیح کی طرز پر اس اُمت میں بھی جو مثیل اُمت موسیٰ ہے کوئی پیدا ہو یہ بات فلاسفروں کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ وجود بنی آدم دَوری ہے اور یہی سنّت اللہ اور قانون قدرت سے ثابت ہوا ہے کہ اِس دُنیا میں بعض بعض کے شبیہ پیدا ہو جاتے ہیں نیکوں کے شبیہ بھی پَیدا ہوتے رہتے ہیں اور بدوں کے بھی۔ ہاں منجانب اللہ ہونے کا ثبوت مانگنا چاہیئے، اُس ثبوت کے ذیل میں تمام ثبوت آ جاتے ہیں۔ دیکھو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں پر ظاہر کیا کہ مَیں مثیل موسیٰ ہوں اور خدا تعالیٰ کا رسول ہوں تو جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہو گئی۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل موسیٰ ہونے میں بھی شک نہ رہا اور جیسا وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے ایسا مثیل ہونے پر لائے سو منجانب اللہ اور سچّے ملہم ہونے کا ثبوت تمام ثبوتوں کی جڑ ہے مثلًا نبی پر جو کتاب نازل ہوتی ہے اُس کے فقرہ فقرہ کا ثبوت کوئی نہیں مانگتا بلکہ رسالت کے ثابت ہونے سے خود وہ تمام واقعات ثابت ہو جاتے ہیں۔ عزیزو! یہ بات تو نہیں کہ خدا تعالیٰ میرے لئے کوئی نرالا **قانون** بنانا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے قدیم قانون کو دیکھو اور اُس کے مطابق سوال کرو۔" (شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 367 تا 369)

ایک صاحب ہدایت اللہ نام کے تھے جنہوں نے ایک رسالہ شائع کیا جس میں آپؑ پر یہ الزام لگایا کہ مسیح علیہ السلام کے معجزات سے انکاری ہیں اور ازالہ اوہام کی بعض عبارتوں کو پیش کیا۔ اسی کتاب کے حاشیہ میں حضورؑ نے اس کا بھی جواب دیا۔ (شہادۃ القرآن روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 372 تا 374 حاشیہ)

اپنی صداقت کو ثابت کرتے ہوئے گزشتہ دلائل کے خلاصہ کے طور پر بڑی تحدی کے ساتھ فرمایا:

"مَیں متعجب ہوں کہ لوگ مسیح موعود کے لفظ کو کیوں عجیب سمجھتے ہیں اور اِس کا ثبوت کیوں مجھ سے مانگتے ہیں حالانکہ عند العقل یہ بات ممتنعات میں سے نہیں ہے کہ مسیح کی طرز پر اس اُمت میں بھی جو مثیل اُمت موسیٰ ہے کوئی پیدا ہو یہ بات فلاسفروں کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ وجود بنی آدم دَوری ہے اور یہی سنّت اللہ اور قانون قدرت سے ثابت ہوا ہے کہ اِس دُنیا میں بعض بعض کے شبیہ پیدا ہو جاتے ہیں نیکوں کے شبیہ بھی پَیدا ہوتے رہتے ہیں اور بدوں کے بھی۔ ہاں منجانب اللہ ہونے کا ثبوت مانگنا چاہیئے، اُس ثبوت کے ذیل میں تمام ثبوت آجاتے ہیں۔ دیکھو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں پر ظاہر کیا کہ مَیں مثیل موسیٰ ہوں اور خداتعالیٰ کا رسول ہوں تو جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ثابت ہوگئی۔ اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مثیل موسیٰ ہونے میں بھی شک نہ رہا اور جیسا وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لائے ایسا مثیل ہونے پر لائے سو منجانب اللہ اور سچّے ملہم ہونے کا ثبوت تمام ثبوتوں کی جڑ ہے مثلاً نبی پر جو کتاب نازل ہوتی ہے اُس کے فقرہ فقرہ کا ثبوت کوئی نہیں مانگتا بلکہ رسالت کے ثابت ہونے سے خود وہ تمام واقعات ثابت ہو جاتے ہیں۔ عزیزو! یہ بات تو نہیں کہ خداتعالیٰ میرے لئے کوئی نرالا قانون بنانا چاہتا ہے۔ خداتعالیٰ کے قدیم **قانون** کو دیکھو اور اُس کے مطابق سوال کرو۔

پھر ماسوا اِس کے آج کی تاریخ تک جو گیارہ ربیع الاول 1311ھ مطابق بائیس ستمبر 1893ء اور نیز مطابق ہشتم اسوج سمت 1950۔ اور روز جمعہ ہے اِس عاجز سے تین ہزار سے کچھ زیادہ ایسے نشان ظاہر ہو چکے ہیں جن کے صدہا آدمی گواہ بلکہ بعض پیشگوئیوں کے پُورا ہونے کے تو ہزارہا ہندو اور عیسائی اور دوسرے مخالف مذہب گواہ ہیں اور اگر تحقیق کی رُو سے دیکھو تو بعض نشان ایسے بھی ہیں کہ جنھیں لاکھہا دشمن دین اسلام اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں اور اب تک وہ لوگ زندہ موجود ہیں جنہوں نے بکثرت ایسے نشان ملاحظہ کئے جو اِنسانی طاقتوں سے بالاتر ہیں اور ایسے بھی صدہا موجود ہیں جنہوں نے دُعاؤں کے قبول ہونے کی پیش از وقت خبر سُنی اور پھر اِس امر کو جیسا کہ بیان کیا گیا تھا ظاہر ہوتے بھی دیکھ لیا اور ایسے بھی سولہ ہزار کے قریب لوگ ہندوستان اور انگلستان اور جرمن اور فرانس اور روس اور روم میں پنڈتوں اور یہودیوں کے فقیہوں اور مجوسیوں کے پیشرووں اور عیسائیوں کے پادریوں اور قسیسوں اور بشپوں میں سے موجود ہیں جن کو رجسٹری کرا کر اِس مضمون کے خط بھیجے گئے کہ درحقیقت دُنیا میں دین اسلام ہی سچا ہے اور دُوسرے تمام دین اصلیّت اور حقانیت سے دور جا پڑے ہیں کسی کو مخالفوں میں سے اگر شک ہو تو ہمارے مقابل پر آوے اور ایک سال تک رہ کر دین اسلام کے نشان ہم سے ملاحظہ کرے۔ اور اگر ہم خطا پر نکلیں تو ہم سے بحساب دو سو روپیہ ماہواری ہرجانہ اپنے ایک برس کا لے لے ورنہ ہم اُس سے کچھ نہیں مانگتے صرف دینِ اسلام قبول کرے اور اگر چاہے تو اپنی تسلّی کے لئے وُہ روپیہ کسی بینک میں جمع کرا لے لیکن کسی نے اِس طرف رُخ نہ کیا۔ اَب

ایک داناسوچ سکتا ہے کہ اگر یہ عاجز خدا تعالیٰ کی نصرت پر ایسا کامل یقین نہ رکھتا کہ جو متواتر مشاہدات اور ذاتی تجارب کے بعد ہوتا ہے تو کیونکر ممکن ہوتا کہ اسلام کے تمام مخالفوں کے مقابل پر یعنی اُن لوگوں کے مقابل پر جو رُوئے زمین پر نامی مخالف مذہب اور اپنی قوموں کے مقتدیٰ تھے اکیلا کھڑا ہو جاتا ظاہر ہے کہ ضعیف البنیان انسان اپنے نفس میں ہرگز ایسی طاقت نہیں رکھتا کہ سارے جہان کا مقابلہ کر سکے پھر بجُز اپنے کامل یقین اور ذاتی تجارب کے اور کیا چیز تھی جس نے اِس پیش قدمی کے لئے اِس عاجز کو جُرأت بخشی اور نہ صرف زبانی بلکہ دو ہزار روپیہ کے قریب ان اشتہارات کے طبع میں جو انگریزی اور اُردو میں چھاپے گئے تھے اور ایسا ہی اُن کی روانگی میں جو ہندوستان اور یورپ کے مُلکوں کی طرف رجسٹری کرا کر خط بھیجے جاتے تھے خرچ ہوا مگر کسی کو جُرأت نہ ہوئی کہ مقابل پر آوے اور دشمنوں کے دلوں پر ہیبت پڑنا یہ بھی ایک نشان تھا۔ اِمتحان کے طور پر اِس زمانہ کے کسی پادری صاحب وغیرہ کو پوچھ کر دیکھو کہ کیا دعوت اسلام کیلئے رجسٹری شدہ خط اُن کے پاس نہیں پہنچا۔ پھر سوچ لو کہ جو شخص کئی ہزار روپیہ صرف اشتہارات کے طبع اور اُنکے مصارف روانگی میں خرچ کرے اور دشمن کے لئے ایک رقم کثیر بطور انعام بصورت فتح دشمن مقرر کرے کیا عند العقل ایسے شخص کا صرف جُھوٹ اور کذب اورافتراء پر مدار ہو سکتا ہے کیا آج تک دُنیا میں کوئی ایسا مفتری کتابوں میں پڑھا گیا یا سنا گیا یا دیکھا گیا بھلا کوئی نظیر تو دو۔

عزیزو! یقیناً سمجھو کہ جب تک خُدا کسی کے ساتھ نہ ہو یہ استقامت اور یہ شجاعت اور یہ بذل مال ہرگز وقوع میں آ ہی نہیں سکتے کبھی کسی نے اِس زمانہ کے کسی مولوی کو دیکھا یا سنا کہ اُس نے دعوتِ اسلام کے لئے کسی اسسٹنٹ کمشنر انگریز کی طرف ہی کوئی خط بھیجا لیکن اس جگہ نہ صرف اس قدر بلکہ پارلیمنٹ لنڈن اور شاہزادہ ولی عہد ملکہ معظمہ اور شہزادہ بسمارک کی خدمت میں بھی دعوتِ اسلام کے اشتہار اور خطوط بھیجے گئے جن کی رسیدیں ابتک موجود ہیں۔ اِن اشتہارات میں جن کے شائع کرنے پر قریباً عرصہ دس10 برس کا گذر چکا ہے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ عاجز حضرت مسیح ابن مریم سے ان کے کمالات میں مشابہ ہے اور سوچنے والے کے لئے یہ ایک اور دلیل اس عاجز کی سچائی پر ہے کیونکہ اگر مثیل مسیح ہونے کا دعویٰ صرف انسان کا منصوبہ ہوتا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ مسیح موعود کے دعویٰ کرنے سے دس10 برس بلکہ بارہ برس پہلے اُس دعویٰ کے مؤید متواتر الہامات اپنی طرف سے شائع کئے جاتے کیونکہ ہریک شخص سمجھ سکتا ہے کہ عادتاً انسان میں اتنی پیش بندیوں کی طاقت نہیں کہ جو کام یا دعویٰ ابھی بارہ برس کے بعد ظہور میں آنا ہے پہلے ہی سے اُس کی بنیاد قائم کی جائے اور پھر تعجب پر تعجب یہ کہ خدا تعالیٰ ایسے ظالم مفتری کو اتنی لمبی مہلت بھی دیدے جسے آج تک بارہ برس گذر چکے ہوں اور مُفتری ایسا اپنے افتراء میں بیباک ہو جس نے پہلے ہی سے ارادہ کیا ہو جو بارہ برس کے بعد ایسا دعویٰ کرونگا اور اس دعویٰ کی بنیاد بارہ برس پہلے ہی یہ رکھی

ہو کہ مَیں ضرور مثیل مسیح ہوں اور نہ صرف یُونہی بلکہ الہام کے حوالہ سے اپنے تئیں مثیل مسیح قرار دیا ہو اور کمالات میں اُس کے مشابہ اپنے تئیں ٹھہرایا ہو اور اُس کے جوہر ذاتی کا ایک ٹکڑا اپنے تئیں سمجھا ہو اور پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ علانیہ اور واشگاف طور پر بارہ برس پہلے اپنے دعویٰ مسیح ہونے سے اپنی کتاب میں (یعنی براہین احمدیہ میں) یہ شائع کیا ہو کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام عیسیٰ رکھ دیا ہے اور مجھ کو وعدہ دیا ہے کہ مَیں تجھے تیری طبعی موت سے ماروں گا اور پھر اپنی طرف تجھے اُٹھالوں گا اور منکروں کے تمام الزاموں سے تجھے بَری کروں گا اور تیرے تابعین کو قیامت تک تیرے دشمنوں پر غالب رکھوں گا اور خُدا تعالیٰ اُس کو نہ صرف مُہلت بلکہ الہامی نشانوں سے اُس کی مدد بھی کرے اور اُس کے لئے ایک جماعت طیار کر دے حالانکہ وہ خود قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ **میں مفتری کو مدد نہیں دیتا اور وہ جلد ہلاک کیا جاتا ہے** اور اُس کی جماعت متفرق کی جاتی ہے بلکہ سید الرسل کو اُس نے کہا کہ اگر تو ایک ذرہ افترا کرتا تو تیری شاہ رگ کاٹ دی جاتی۔ پس اگر یہ بات سچ نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ مفتری کو جو جھوٹا مرسل بن کر خلق اللہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے بہت جلد پکڑ لیتا ہے تو اِس صُورت میں نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہ استدلال صحیح نہیں ہو سکتا کہ اگر آنحضرتؐ نعوذ باللہ مُفتری ہوتے تو خدا تعالیٰ ان کو پکڑتا پھر باوجود اِس لمبی مہلت اور خدا تعالیٰ کی صدہا تائیدوں اور صدہا نشانوں کے مخالفوں نے بھی اِس عاجز پر نزول عذاب کے لئے ہزارہا دُعائیں کیں اور اپنے مباہلہ میں بھی رو رو کر اِس عاجز پر عذاب نازل ہونا چاہا مگر بجُز رسوائی اور ذلّت کے اُن کو کچھ بھی نصیب نہ ہوا اور اللہ جلّ شانہ، جانتا ہے کہ ہم نے کسی مباہلہ میں کسی دشمن پر عذاب نازل ہونا نہیں چاہا اور نہ عبد الحق غزنوی کے لئے جس نے بمقام امرتسر مباہلہ کیا تھا اُس کی موت کے لئے بد دُعا کی مگر اُس نے بہت کچھ جزع فزع کیا اور ہمارا مدعا مباہلہ سے یہی تھا اور اب تک یہ ہی ہے کہ آسمانی نشانیاں اِس عاجز کی تائید میں عام طور پر ظاہر ہوں اور مخالف مباہل کی ذلّت اور رُسوائی کے لئے اتنا ہی کافی ہو گا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک مقام میں ہماری فتح ظاہر کرے۔ غرض یہ تمام صداقت کے نشان ہیں مگر اُس کے لئے جو غور کرے۔ افسوس کہ مجھ سے بار بار پُوچھا جاتا ہے کہ تمہارے دعویٰ مسیح موعود ہونے پر دلیل کیا ہے مگر ایسے لوگ نہیں سمجھتے کہ حضرت عیسیٰؑ کے موعود ہونے پر اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیّین موعود ہونے پر کیا دلیل تھی۔ کیا یہی نہ تھی کہ بہت سے نشانوں سے خدا تعالیٰ نے اُن کا صادق ہونا ثابت کر دیا اور حضرت مسیح کو گو یہودیوں نے قبول نہ کیا اور آج تک یہی کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود نہ تھا مگر اُن کے معجزات اور نشانوں سے ان کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہو گیا ضروری مطالبہ تو صادق اور منجانب اللہ ہونے پر ہوتا ہے اور مثیلیت کا ثبوت تو اِسی کے ذیل میں آجاتا ہے باوجود اِس کے تمام لوازم موجود ہ بلند آواز سے یہی پکار رہے ہیں کہ اس صدی کا مجدّد مسیح موعود ہو کیونکہ خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے جو مسیح موعود کے زمانہ کے نشان ٹھہرائے تھے وُہ سب اِس زمانہ

میں پُورے ہو گئے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے کہ عیسائی سلطنت تمام دُنیا کی ریاستوں کو نگلتی جاتی ہے اور ہر ایک نوع کی بلندی اُن کو حاصل ہے اور مِّنۡ کُلِّ حَدَبٍ یَّنۡسِلُوۡنَ (الانبیاء:97) کا مصداق ہیں اور اسلام کی دینی دنیوی حالت ایسی ہی ابتر ہو گئی ہے جیسا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں یہودیوں کی حالت ابتر تھی اور جیسا کہ مسیح ایسے وقت میں آیا کہ اُس وقت دین کے لئے تلوار اُٹھانا بالکل نامناسب تھا وجہ یہ کہ یہودی اپنی بد چلنی سے اپنے مُلک کو کھو بیٹھے تھے اور رومی سلطنت کا ملک گیری میں کچھ قصور نہ تھا تا اُن پر تلوار اُٹھائی جاتی۔ یہی حال آج کل ہے کہ مُسلمانوں کے بادشاہوں نے آپ بے اعتدالیاں کر کے اور نالائق عیشوں میں مبتلا ہو کر اپنا ملک کھویا بلکہ اُن میں مُلک داری کی لیاقت ہی باقی نہ رہی سو خداتعالیٰ نے انگریزوں کو ملک دیا اور انہوں نے ملک لے کر کچھ ظلم نہ کیا۔ کسی کا نماز روزہ بند نہ کر دیا۔ کسی کو حج جانے سے منع نہ کیا۔ بلکہ عام آزادی اور امن قائم کیا۔ پھر اُن پر باوجود محسن ہونے کے کیونکر خدائے کریم ورحیم تلوار اُٹھانے کا فتویٰ دیتا کیا اس کے پاس دین پھیلانے کا ذریعہ صرف ظاہری تلوار تھی رُوحانی تلوار نہ تھی پھر اس پر طُرہ یہ کہ اِس وقت تلوار کا ایمان کچھ معتبر نہیں انگریزوں نے تلوار سے کسی کو اپنے مذہب میں داخل نہیں کیا تا تلوار کا جواب تلوار ہوتا بلکہ لوگ نئے فلسفہ اور نئے طبعی اور پادریوں کے وساوس سے ہلاک ہوئے۔

سو اس کا جواب اسلام کی حقانیت کا ثبوت دینا ہے نہ یہ کہ لوگوں پر تلوار چلانا۔ لہٰذا خداتعالیٰ نے مُسلمانوں کی حالت کے ہم رنگ پا کر ان کے لئے حضرت مسیح کی مانند بغیر سیف وسنان کے مصلح بھیجا اور اُس مصلح کو دجّالیت کے دُور کرنے کے لئے صرف آسمانی حربہ دیا اور جیسا کہ **عیسیٰ عند منارۃ دمشق** کے لفظوں سے چودہ سو کا عدد مفہوم ہوتا ہے وہ مسیح موعود چودھویں صدی کے سر پر آیا اور جیسا کہ اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعہ:4) کے عدد سے 1275 نکلتے ہیں اِسی زمانہ میں وہ اصلاح خلق کے لئے طیار کیا گیا۔ اور جیسا کہ قرآن کریم نے بشارت دی کہ امواج فتن نصاریٰ کے وقت میں نفخ صور ہو گا ایسا ہی اُس کا ظہور ہوا اور کئی بندگان خدا نے الہام پا کر اُسکے ظہور سے پہلے اُسکے آنے کی خبر دی بلکہ بعض نے بتیس برس پہلے اُس کے ظہور سے اُسکا نام بتلایا اور یہ کہا کہ مسیح موعود وُہی ہے اور اصل عیسیٰ فوت ہو چکا ہے اور بہت سے صاحب مکاشفات نے چودھویں صدی کو مسیح موعود کے آنیکا زمانہ قرار دیا اور اپنے الہامات لکھ گئے۔ اَب اِس کے بعد ایسے اُمور میں جن میں ایمان بالغیب کی بھی کچھ گنجائش رکھ لینی چاہیئے اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

پھر ماسوا اِس کے بعض اور عظیم الشّان نشان اِس عاجز کی طرف سے معرض امتحان میں ہیں جیسا کہ منشی عبداللہ آتھم صاحب امرتسری کی نسبت پیشگوئی جس کی میعاد 5 جون 1893ء سے پندرہ مہینہ تک اور پنڈت لیکھرام پشاوری کی موت کی نسبت پیشگوئی جس کی میعاد 1893ء سے چھ سال تک ہے اور پھر مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے داماد کی موت کی نسبت پیشگوئی جو پٹّی ضلع لاہور کا باشندہ ہے جس کی میعاد آج کی تاریخ سے جو اکیس ستمبر 1893ء

ہے قریباً گیارہ مہینے باقی رہ گئی ہے یہ تمام امور جو انسانی طاقتوں سے بالکل بالاتر ہیں ایک صادق یا کاذب کی شناخت کے لئے کافی ہیں کیونکہ احیا اور اماتت دونوں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور جب تک کوئی شخص نہایت درجہ کا مقبول نہ ہو خدا تعالیٰ اُس کی خاطر سے کسی اس کے دشمن کو اس کی دعا سے ہلاک نہیں کر سکتا خصوصاً ایسے موقع پر کہ وہ شخص اپنے تئیں منجانب اللہ قرار دیوے اور اپنی اُس کرامت کو اپنے صادق ہونے کی دلیل ٹھہراوے۔ سو پیشگوئیاں کوئی معمولی بات نہیں کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کے اختیار میں ہو بلکہ محض اللہ جلّ شانہ‘ کے اختیار میں ہیں سو اگر کوئی طالب حق ہے تو اِن پیشگوئیوں کے وقتوں کا انتظار کرے۔ یہ تینوں پیشگوئیاں ہندوستان اور پنجاب کی تینوں بڑی قوموں پر حاوی ہیں یعنی ایک مسلمانوں سے تعلّق رکھتی ہے اور ایک ہندوؤں سے اور ایک عیسائیوں سے اور ان میں سے وُہ پیشگوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اِس کے اجزاء یہ ہیں (1) کہ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو (2) اور پھر داماد اُس کا جو اس کی دُختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو (3) اور پھر یہ کہ مرزا احمد بیگ تاروز شادی دختر کلاں فوت نہ ہو (4) اور پھر یہ کہ وہ دختر بھی تا نکاح اور تا ایّام بیوہ ہونے اور نکاح ثانی کے فوت نہ ہو (5) اور پھر یہ کہ یہ عاجز بھی اِن تمام واقعات کے پُورے ہونے تک فوت نہ ہو (6) اور پھر یہ کہ اِس عاجز سے نکاح ہو جاوے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام واقعات انسان کے اختیار میں نہیں۔"

(روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 368 تا 376)

یہ ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد منشی عطا محمد صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طریق فیصلہ کی طرف بھی دعوت دی ہے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

"اور اگر اب بھی یہ تمام ثبوت میاں عطا محمد صاحب کے لئے کافی نہ ہوں تو پھر طریق سہل یہ ہے کہ اس تمام رسالہ کو غور سے پڑھنے کے بعد بذریعہ کسی چھپے ہوئے اشتہار کے مجھ کو اطلاع دیں کہ میری تسلّی اِن اُمور سے نہیں ہُوئی اور مَیں ابھی تک افترا سمجھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ میری نسبت کوئی نشان ظاہر ہو تو میں انشاء اللہ القدیر اُن کے بارہ میں توجہ کروں گا اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کسی مخالف کے مقابل پر مجھے مغلوب نہیں کرے گا کیونکہ مَیں اُس کی طرف سے ہوں اور اُسکے دین کی تجدید کیلئے اُس کے حکم سے آیا ہوں لیکن چاہیئے کہ وہ اپنے اشتہار میں مجھے عام اجازت دیں کہ جس طور سے مَیں ان کے حق میں الہام پاؤں اس کو شائع کرادوں اور مجھے تعجب ہے کہ جس حالت میں مسلمانوں کو کسی مجدّد کے ظاہر ہونے کے وقت خوش ہونا چاہیئے یہ پیچ و تاب کیوں ہے اور کیوں ان کو بُرا لگا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے دین کی حُجّت پُوری کرنے کیلئے ایک شخص کو مامور کر دیا ہے لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ حال کے اکثر مسلمانوں کی ایمانی حالت نہایت ردّی ہو گئی ہے اور فلسفہ کی موجودہ زہر نے ان کے اعتقاد کی بیخ کنی کر دی ہے ان

کی زبانوں پر بے شک اسلام ہے لیکن دل اسلام سے بہت دُور جا پڑے ہیں خدائی کلام اور الٰہی قدرتیں اُن کی نظر میں ہنسی کے لائق ہیں۔ ایسا ہی میاں عطا محمد کا حال ہے مجھے یاد ہے کہ جب بمقام امرت سر مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کو ان کی موت کی نسبت پیشگوئی سُنائی گئی تو میاں عطا محمد نے میرے فرود گاہ میں آکر میرے رُوبرو ایک مثال کے طور پر بیان کیا کہ ایک ڈاکٹر نے میری موت کی خبر دی تھی کہ اتنی مدّت میں عطا محمد فوت ہو جائے گا مگر وہ مدّت خیر سے گذر گئی اور مَیں نے اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کو سلام کیا اُس نے کہا کہ تُو کون ہے۔ مَیں نے کہا وہی عطا محمد جس کے مرنے کی آپ نے پیشگوئی کی تھی۔ مطلب یہ کہ یہ تمام اُمور جُھوٹ اور لغو ہیں۔ مگر میاں عطا محمد کو یاد رہے کہ ڈاکٹر کی مثال اس جگہ دینا صرف اس قدر ثابت کرتا ہے کہ آسمانی روشنی سے آپ بکلّی بے خبر ہیں بیشک ایک ہستی موجود ہے جس کا نام خدا ہے اور وُہ اپنے سچّے مذہب کی تائید میں نہ صرف کسی زمانہ محدود تک بلکہ ہمیشہ ضرورت کے وقت میں آسمانی نشان دکھلاتا ہے اور دنیا کا ایمان نئے سرے قائم کرتا ہے۔ ڈاکٹر کی مثال سے ظاہر ہے کہ آپ کا اُس خدا پر ایمان کِس قدر ہے۔ اَب مَیں مناسب دیکھتا ہوں کہ اس رسالہ کو اِسی جگہ ختم کر دوں۔"

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 377،376)

اس کے آخر پر 22 ستمبر 1893ء مقام قادیان جمعہ کا دن لکھا ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن یہ رسالہ اختتام پذیر ہوا۔

کتاب کے آخر پر ایک مضمون بعنوان "**گورنمنٹ کی توجہ کے لائق**" شامل اشاعت ہے جس میں محمد حسین بٹالوی نے شرارتاً اپنے رسالہ میں لکھا تھا کہ نعوذ باللہ حضرت اقدس گورنمنٹ کے خلاف تعلیمات و عقائد رکھتے ہیں۔ اس کی تفصیلی وضاحت حضورؑ نے فرمائی ہے۔ اور اس میں ایک طرف آپؑ نے حکومت وقت کی اطاعت و وفاداری کا اظہار فرمایا ہے اور دوسری طرف بٹالوی صاحب کی منافقت اور دورخی کا پردہ بھی چاک کیا ہے۔

خلیفہ کا مقام و مرتبہ:

مکرر عرض ہے کہ **کتاب "شہادۃ القرآن" میں ایک اور بہت ہی اہم مضمون خلافت کے متعلق بھی بیان ہوا ہے۔** ہر چند کہ رسالہ الوصیۃ خلافت کے متعلق ایک بنیادی رسالہ ہے۔ البتہ خلافت کے متعلق بعض اور جگہوں پر بھی امت اور سلسلہ احمدیہ میں خلافت کے جاری رہنے اور خلافت کے مقام کی طرف بہت اہم اور بنیادی اشارے اور رہنمائی موجود ہے۔ چنانچہ اسی کتاب شہادۃ القرآن میں آیت استخلاف کی تشریح و تفسیر کرتے ہوئے خلیفہ کا مقام جو بیان ہوا ہے وہ قابل ذکر ہے۔ حضرت اقدسؑ بیان فرماتے ہیں:

"خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلّی طور پر رسول

کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلّی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے۔"

(شہادۃ القرآن، روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 353)

خلافت اور خلیفہ کے مقام و مرتبہ کی بات چل نکلی ہے تو حقیقۃ الوحی کا ایک اقتباس بہت ہی موزوں ہے کہ وہ بھی یہاں دے دیا جائے۔ حضرت اقدس اس میں فرماتے ہیں:

"پس روحانی طور پر انسان کے لئے اِس سے بڑھ کر کوئی کمال نہیں کہ وہ اس قدر صفائی حاصل کرے کہ خدا تعالیٰ کی تصویر اُس میں کھینچی جائے۔ اِسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ: 31) یعنی میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ ظاہر ہے کہ تصویر ایک چیز کی اصل صورت کی خلیفہ ہوتی ہے یعنی جانشین۔" (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 27)

کتاب کے آخری صفحہ پر رحمت علی صاحب مقام برناوہ کا ایک فارسی قصیدہ درج ہے جو انہوں نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی مدح میں لکھا تھا۔

کتاب کے انہیں آخری صفحات پر جلسہ 93ء کے التواء کا بھی اشتہار ہے۔

مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات

از افاضات امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ع۔س۔اختر

غلامی

"اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والے اس آزادی کے ہزارویں بلکہ لاکھویں حصے کی مثال پیش نہیں کر سکتے کہ کسی نے کبھی اس حد تک غلاموں کی آزادی کے سامان کئے ہوں، انسانیت کی آزادی کے سامان کئے ہوں۔"

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری ہوئی کامل کتاب جو خاتم الکتب بھی کہلاتی ہے، اس میں آزادی کے مضمون کو مختلف حوالوں اور مختلف رنگ سے بیان کیا گیا ہے اور پھر اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اس خوبصورت تعلیم کی شان کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ایک جگہ فرماتا ہے فَكُّ رَقَبَةٍ۔(البلد:14) گردن چھڑانا۔ یا اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ غلام کو آزاد کرنا یا آزادی میں مدد کرنا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ایک آیت کا کچھ حصہ پڑھتا ہوں کہ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ(البقرہ:178) اورمال دے اُسکی محبت رکھتے ہوئے، اقربا کو، اور یتامیٰ کو اور مساکین کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے آزاد کرنے کے لئے، یعنی غلاموں کے آزاد کروانے کے لئے۔ اور جو مضمون اس سے پہلے چل رہا ہے، اُس کو سامنے رکھیں تو بتایا گیا ہے کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے۔ اللہ تعالیٰ، یومِ آخر اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لانے کے بعد یہی نیکیاں ہیں جو بندے کو خدا کا قرب دلاتی ہیں اور ان میں غلاموں کی آزادی بھی شامل ہے۔ پس ایمان کی حالت کو قائم رکھنے کیلئے، نیکیوں میں بڑھتے چلے جانے کے لئے، نیکیوں کے اعلیٰ نمونے دکھانے کے لئے غلاموں کی آزادی یا کسی انسانی جان کو آزاد کروانا یہ ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے، یہ بخاری کی حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

تھے کہ جو کوئی مسلمان غلام آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ سے کُلّی نجات عطا کرے گا۔(صحیح بخاری کتاب کفارات الأیمان باب قول اللہ تعالیٰ: اَو تحریر رقبۃ۔۔۔ حدیث نمبر6715)

پھر اسلام میں مختلف مواقع پر کفّارہ کے طور پر غلام آزاد کرنے کی تعلیم قرآنِ کریم میں متعدد جگہ ہے۔ کہیں فرمایا کہ اگر کوئی مومن غلطی سے کسی مومن کے ہاتھ سے قتل ہو جائے تو غلام آزاد کرو اور خون بہا بھی ادا کرو۔(النساء:93) اور صرف مومن کے قتل پر ہی غلام آزاد کرنے کی یہ سزا نہیں سنائی گئی یا اس کی تحریک نہیں کی گئی۔ بلکہ فرمایا کہ اگر کسی قوم کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے اور اُس کا کافر بھی تم سے قتل ہو گیا ہے تو ایک غلام کو آزاد کرو۔ (النساء:93) پھر خدا کی قسم کھا کر توڑنے کی سزا میں جہاں اپنی حیثیت کے مطابق مختلف امکانات دیئے گئے ہیں کہ اگر یہ نہیں تو یہ سزا ہے، یہ نہیں تو یہ سزا ہے، وہاں ایک سزا غلام آزاد کرنے کی بھی ہے۔(المائدہ:90)

پس مختلف موقعوں پر غلاموں کی آزادی کا جو ذکر ہے یہ اس لئے ہے کہ اسلام آہستہ آہستہ غلامی کے سلسلہ کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اُس زمانے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یا آپ سے پہلے کا زمانہ تھا، غلام رکھنے کا عام رواج تھا۔ اسلام نے آکر اس غلامی کے طریق کو ختم کرنے کے لئے مختلف موقعوں پر زور دیا ہے جیسا کہ مَیں نے بتایا۔ بلکہ احادیث میں یہ بھی آتا ہے، ایک روایت اسماء بنتِ ابی بکر سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو فرمایا کرتے تھے کہ سورج گرہن کے موقع پر بھی غلام آزاد کیا کرو۔(صحیح بخاری کتاب العتق باب مایستحب من العتاقۃ فی الکسوف والایات حدیث 2520)یعنی جو صاحبِ حیثیت ہیں جن کو توفیق ہے وہ ایسا ضرور کریں۔

پھر غلام کی عزت اور اُس کے حق کی آپ نے اس طرح بھی حفاظت فرمائی کہ ایک روایت میں آتا ہے۔ سات بھائی تھے اور اُن کے پاس ایک مشترک غلام تھا۔ ایک موقع پر ایک بھائی کو غلام پر غصہ آیا تو اُس نے اُس کو غصے میں زور سے ایک طمانچہ مار دیا، چپیڑ مار دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں جب یہ بات آئی تو آپ نے فرمایا اس غلام کو آزاد کرو۔(صحیح مسلم کتاب الایمان باب صحبۃ الممالیک و کفارۃ من لطم عبدہ حدیث 4304) تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس غلام کو رکھو کیونکہ تمہیں غلام سے حسنِ سلوک ہی نہیں کرنا آتا۔

غرض کہ اگر اُس زمانے میں جائیں جہاں غلام رکھنا ایک عام بات بھی تھی اور جو امراء تھے اُن کے لئے ایک بڑی دولت بھی تھی۔ جتنے زیادہ کسی کے پاس غلام ہوتے تھے اُتنا ہی وہ امیر سمجھا جاتا تھا اور امیر لوگ غلام رکھتے بھی تھے۔ اُس وقت یہ حکم ہیں کہ اگر اصل دولت چاہتے ہو جو ایمان کی دولت ہے تو بہتر ہے کہ غلاموں کو آزاد کرو۔ اُن کی آزادی کے سامان پیدا کرو۔ اور اس حکم کے تحت صحابہ نے حسبِ توفیق درجنوں سے ہزاروں تک غلاموں کو آزاد کیا ہے۔

حضرت عثمانؓ بن عفّان کے متعلق آتا ہے کہ انہوں نے ایک ہی موقع پر بیس ہزار غلام آزاد کئے اور اس کے علاوہ اَور بھی بہت سارے کئے۔ جن کو جتنی جتنی توفیق تھی انہوں نے اتنے کئے۔ بعضوں نے درجنوں کئے اور بعضوں نے ہزاروں کئے۔ جن کے پاس کام کاج کے لئے بھی غلام تھے اُنہیں بھی اسلامی تعلیم یہ ہے کہ ان سے بھائیوں جیسا سلوک کرو۔ جو خود پہنو، اُنہیں پہناؤ۔ جو خود کھاؤ، اُنہیں کھلاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من أمر الجاھلیۃ۔۔۔ حدیث نمبر 30)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا اسوہ یہ تھا کہ حضرت خدیجہؓ نے جب شادی کے بعد دولت اور اپنے غلام آپؐ کو دے دیئے تو آپؐ نے آزاد کر دیئے۔ اُن میں سے ایک غلام حضرت زید بن حارثہ تھے اُن کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا اور ایسا شفقت اور پیار کا سلوک فرمایا کہ جب اُن کے حقیقی والدین اُن کو لینے آئے تو زید نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ جلد 2 زید بن حارثۃ صفحہ 142، 141 دار الفکر بیروت 2003)

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حسنِ سلوک تھا۔ حسن و احسان کے کمال کی یہ وہ معراج تھی جس نے آزادی پر غلامی کو ترجیح دی، جس نے آپ کی محبت کے مقابلے میں خونی رشتے اور محبت کو جھٹک دیا۔

پس اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے والے اس آزادی کے ہزارویں بلکہ لاکھویں حصے کی مثال پیش نہیں کر سکتے کہ کسی نے کبھی اس حد تک غلاموں کی آزادی کے سامان کئے ہوں، انسانیت کی آزادی کے سامان کئے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو فرمایا کہ اپنے غلاموں سے اُن کے کام کاج کے دوران حسنِ سلوک کرو۔ اور اگر سخت کام دو تو اُن کا ہاتھ بٹاؤ۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من أمر الجاھلیۃ۔۔۔ حدیث نمبر 30) **پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کی تعریف بدل دی۔** اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک اٹالین مستشرق ہے، ڈاکٹر ویگلیری (Vaglieri) لکھتی ہیں کہ:

''غلامی کا رواج اُس وقت سے موجود ہے جب سے انسانی معاشرے نے جنم لیا اور اب تک بھی باقی ہے۔ مسلمان خانہ بدوش ہوں یا متمدن، ان کے اندر غلاموں کی حالت دوسرے لوگوں سے بدرجہا بہتر پائی جاتی ہے۔ یہ ناانصافی ہو گی کہ مشرقی ملکوں میں غلامی کا مقابلہ امریکہ میں آج سے ایک سو سال پہلے کی غلامی سے کیا جائے۔ حدیث نبوی کے اندر کس قدر انسانی ہمدردی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ مت کہو کہ وہ میرا غلام ہے بلکہ یہ کہو کہ وہ میرا لڑکا ہے۔ اور یہ نہ کہو کہ وہ میری لونڈی ہے بلکہ یہ کہو کہ وہ میری لڑکی ہے۔''

پھر لکھتی ہیں کہ ''اگر تاریخی لحاظ سے اُن واقعات پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باب میں عظیم الشان اصلاحیں کیں۔ اسلام سے پہلے قرضہ ادا نہ ہونے کی صورت میں بھی ایک آزاد

آدمی کی آزادی کے چھن جانے کا امکان تھا۔" (اگر ایک شخص نے کسی سے قرض لیا ہے اور وہ قرض ادا نہیں کر سکا تو جب تک وہ قرض ادا نہیں کرتا تھا اُس کو قرض دینے والے کی غلامی کرنی پڑتی تھی یا اس کے امکانات موجود تھے) لکھتی ہیں کہ "لیکن اسلام لانے کے بعد کوئی مسلمان کسی دوسرے آزاد مسلمان کو غلام نہیں بنا سکتا تھا۔ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غلامی کو محدود ہی نہیں کیا بلکہ آپ نے اس بارے میں اوامر و نواہی جاری کئے اور مسلمانوں کو کہا کہ وہ قدم آگے بڑھاتے رہیں حتیٰ کہ وہ وقت آجائے جب رفتہ رفتہ تمام غلام آزاد ہو جائیں۔"

(An Interpretation of Islam by Laura Veccia Vaglieri translated by Dr. Aldo Caselli page no. 72-73 The Oriental & Religious Publishing Corporation Limitd Rabwah Pakistan)

یہ پروفیسر ویگلیری جو ہیں، انہوں نے اٹالین میں کتاب لکھی ہے۔ اس کا انگلش میں ترجمہ ہوا ہے اور اس میں اسلام کی تعلیم کے بارے میں بڑے اچھے طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک زمانے میں جماعت احمدیہ امریکہ نے یہ کتاب شائع کی تھی اس کو دوبارہ شائع کرنا چاہئے۔ اگر کسی کے نام اُس وقت کے حقوق محفوظ نہیں ہیں اور امریکہ والوں کو اجازت ملی تھی تو اس کو شائع کرنا چاہئے۔ یہ اُن دشمنوں کا منہ بند کرنے کے لئے بہت کافی ہے جو اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں۔"

(خطبات مسرور جلد 9 صفحہ 582 تا 585)

آنحضرت ﷺ پر غیر مسلموں کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات

از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

س۔ف۔احمد

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان فرماتے ہیں:
''عیسوی انیسویں صدی یا تیرہویں صدی ہجری نے ہر قوم و مذہب پر اعتراض تو پیدا کئے۔ مگر بجائے جواب دینے کے شبہات اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ بعض لوگ یا علی العموم عملاً مذہب سے دست بردار ہو گئے۔ بعض مذہب کو ہنسی میں بھی اڑانے لگے۔'' (حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 284،285)

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک پر مختلف ادوار میں غیر مسلموں کی جانب سے طرح طرح کے اعتراضات کیے جاتے رہے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی تحریرات کی روشنی میں جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔

اعتراض: ''بعض نادانوں نے اعتراض کیا ہے کہ اسلام تو رشد اور اقتصاد سکھاتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے مقابلہ کیوں کیا؟''

اس اعتراض کے جواب میں حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان فرماتے ہیں:
'' افسوس ہے کہ ان کو معلوم نہیں انہوں نے تو تیرہ سال تک صبر کر کے دکھایا اور پھر آخر آپؐ چونکہ کل دُنیا کے لئے ہادی تھے تو بادشاہوں اور تاجداروں کے لئے بھی کوئی قانون چاہیئے تھا یا نہیں؟ اَب دیکھ لو کہ غیر قوموں کی لڑائیوں میں کیا ہوتا ہے جب دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو بعض اوقات عورتیں، بچّے، مویشی، کھیت سب تباہ ہو جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اِس لئے کہ مذہب نے ملک داری کا کوئی نمونہ اور قانون پیش نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ضرورت کی خود تکمیل کی ہے۔'' (حقائق الفرقان جلد 1 صفحہ 403)

اعتراض: ''بعض لوگ آنحضرت ﷺ کے تلوار پکڑنے پر اعتراض کرتے ہیں۔''

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اس اعتراض کے جواب میں بیان فرماتے ہیں:

”یہ انکی بڑی بیوقوفی ہے۔ہم پُوچھتے ہیں کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے بالمقابل عرب کے پاس تلوار نہ تھی۔اعتراض توتب ہوتا کہ ان کے پاس تلوار نہ ہوتی اور اہل اسلام پھر ان پر تلوار چلاتے۔جب مقابلہ پر بھی تلوار ہے تو پھر اعتراض کس بات کا۔علاوہ ازیں مسلمان تو قانون کے پابند تھے انکو حکم تھا کہ عورتیں اور بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں۔ پھلدار درخت نہ جلائے جاویں لیکن مخالف تو کسی ایسے قانون کے پابند نہ تھے۔“

(حقائق الفرقان جلد2 صفحہ 46)

اعتراض:”اکراہ اور جبر کے ذریعے سے غیر مذہب والوں کو محمدی بنانا اسلام کا خاصہ ہے۔“

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اس اعتراض کے جواب میں بیان فرماتے ہیں:

”مخالف صاحبان یہ آپ کا محض افترا ہے۔اس لیے کہ محمدیوں میں مومن اور محمدی مسلمان بننے کے لئے یہ امر لازمی اور ضروری ہے کہ دل کے کمال خلوص سے باری تعالیٰ کی توحید اور محمدؐ صاحب کی نبوت اور قیامت وغیرہ باتوں پر پورا پورا یقین ہو اور ظاہر ہے کہ جبر سے اور زور سے دلی اعتقاد پیدا نہیں ہوتا۔پس جبر سے محمدی مسلمان بنانا ممکن ہی نہیں۔قرآن کی آیات ذیل پر غور کرو۔صاف ظاہر کرتی ہیں کہ جبر واکراہ سے محمدؐی مسلمان بنانا جائز نہیں۔

پہلی آیت سورۂ بقر میں موجود ہے اور یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔اس آیت میں یہ عذر بھی آپ نہیں کرسکتے کہ یہ آیت مکے میں اتری۔جبکہ اہل اسلام کمزور تھے۔اور جہاد کی آیتیں اترنے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نہیں کیا اور یہ وہ سورت ہے جس میں

قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرہ:191)

[ترجمہ: اللہ کے رستے میں انہیں لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے بڑھ نہ جاؤ۔کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔]

کا حکم ہو چکا تھا۔وہ آیت جس کا ذکر مجھے مطلوب ہے،اور جس میں واضح ہے کہ جبر اور اکراہ اسلام میں جائز نہیں یہ ہے۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (البقرہ: 257)[ترجمہ: اسلام میں جبر نہیں ہے۔ہدایت اور گمراہی میں کھلا فرق ہو گیا ہے۔]

پادری صاحبان!کیسے صاف طور سے قرآن نے اکراہ اور جبر کی نفی کی ہے۔

اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو قرآن کی بہت سی ایسی آیتیں سنا دوں جو مکے اور مدینے میں اُتری ہیں اور اُن میں جبر واکراہ سے دین میں لانے کا ابطال موجود ہے۔جہاد کے مسئلے پر آپ کو ایک لمبا چوڑا مضمون علیحدہ سنائیں گے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (الحجرات:15،14)

[ترجمہ: اعراب نے کہا ہم ایمان لائے تو کہہ کہ تم مومن نہیں ہوئے لیکن بولو کہ ہم فرمانبردار ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔]

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (یونس:100)[ترجمہ: کیا تو (اے محمدؐ) لوگوں کو مومن بننے پر مجبور کرتا ہے (نہیں)]

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا (النساء:81)

[ترجمہ: جو شخص رسول کی اطاعت کرے یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو پیٹھ پھیر دے (اسکی خوشی) ہم نے تجھ کو ان پر نگہبان نہیں بھیجا ہے۔]

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (التوبہ:6)[ترجمہ: اور اگر کوئی مسشرکین سے تیرے پاس پناہ چاہے اسے پناہ دے کہ وہ خدا کا کلام سن لے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچادے اس لیے کہ وہ لوگ جانتے نہیں۔]

جن لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں ایسا سخت مذہب ہے کہ اپنے سوا دنیا کے ہر ایک مذہب کا تلوار سے استیصال کرتا ہے۔ اور لڑائی اور زور سے دوسرے مذاہب کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ ان لوگوں کی غلط فہمی آیات مذکورۃ الصدر سے بالکل ظاہر ہے اور اسلام اور صاحب اسلام اور اُسکے جانشینوں خلفائے راشدین کے اس چال و چلن سے صاف آشکارا ہے کہ اسلام میں صلح یا فتح کے بعد رعایا اور صلح سازوں کو خواہ مخواہ مسلمان نہیں کیا جاتا۔ کیا رسول خدا محمد مصطفیٰ ؐ کے وقت خیبر کے باشندوں کو جو قَسِیُّ القَلب یہود تھے اپنے مذہب پر نہیں رکھا گیا۔ اور یہود ان خیبر کے لیے صلح کے بعد یہودیت پر عملدرآمد کرنے میں کوئی روک ٹوک تھی۔ کیا بحرین والے عیسائیوں پر تشدد کیا گیا ہے کہ تم عیسائی مذہب کو ترک کرو۔ کیا بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے یروشلم کے یہودیوں اور عیسائیوں کو وہاں آباد ہونے نہیں دیا۔

ہاں ایک قسم کا ٹیکس ایسی رعایا سے لیا جاتا تھا جس کو عربی زبان میں جزیہ کہتے ہیں اور وہ ٹیکس بھی نہایت خفیف درجے کا ہوتا تھا۔ جس کا لگانا انہیں لوگوں کے امن اور چین کے لئے ضروری تھا مسلمانوں کی جانیں اور مال جس امن کے قائم رکھنے کیلئے خرچ ہوتے تھے۔ اسی امن کے واسطے اسلام کے سوا دوسرے مذہب والوں سے چند پیسے لئے جاتے تھے۔

یادداشت۔ جزیہ قتل کا بچاؤ نہیں تھا۔ کیونکہ قتل کا بچاؤ امن صلح معاہدہ خالی عن الجزیہ سے ہوسکتا تھا۔ جزیہ تو ماتحت رعایا سے لیا جاتا تھا۔ جنکی حفاظت کے ذمہ وار مسلمان ہوں۔ مسلمانوں سے سخت ٹیکس۔ سالانہ زکوۃ اور لڑائی

کے وقت سامان جنگ لینے کا حکم۔ اور مسلمانوں کے سوا اور مذاہب والے ان محاصل سے بری صرف دو دو آنے دے کر آزاد ہو جاتے تھے۔ لاکھ روپے کا مالدار مسلمان کم سے کم ڈھائی ہزار روپیہ زکوٰۃ دے اور کافر تین روپے کئی آنے اتنی ہی ملکیت پر۔ پس جزیہ مسلمان بنانے پر رغبت نہیں دیتا۔ بلکہ دنیا کی محبت والے کو اسلام سے مانع ہے۔

ضروریات سلطنت اور امن کیلئے ہمیں ہندوستان کے ٹیکس اور محاصل جس وقت دکھائی دیتے ہیں، اُس وقت پادری صاحبان کے اعتراض پر تعجب آتا ہے۔

اس زمانے میں برہما کی فتح کا خرچ غریب ہندوستان پر اور اسکے خزائن اور دفائن اور منافع تجارت اور معزز ترین نوکریوں کے فوائد اہل انگلستان کو حاصل ہیں۔

رہا بادشاہان اسلام کا چال چلن جو انہوں نے ملک گیری اور فتوحات میں دکھلایا۔ ان میں بعض کے حد سے بڑھ جانے کا اسلام ذمہ وار نہیں ہو سکتا۔ اور اُن لوگوں کی رفتار اور کردار سے اصول اسلام پر حرف نہیں آسکتا۔ کیونکہ انگلستان اور فرانس بلکہ یورپ کے بعض وحشی مزاج سنگدل بادشاہوں کی بداطواری خاکسار عیسویت کو قابل ملامت ٹھہرا نہیں سکتی۔

بیشک اسلام اور اہل اسلام، بانی اسلام اور اسکے جانشینان برحق یعنی خلفائے راشدین کے غزوات اور جہادات کے ذمہ وار ہیں۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ مضمون جہاد میں ثابت کر دیا جائے گا کہ وہ سب دفاعی تھے۔ یعنی خود حفاظتی پر اُن سب کی بنا تھی۔

آخر میں سر ولیم میور (Sir William Muir 1819-1905) کا یہ فقرہ لکھنا نامناسب نہ ہو گا۔ وہ لکھتے ہیں: ”گو شہر مکہ نے بطوع ورغبت آنحضرتؐ کی عظمت کو تسلیم کر لیا مگر تو بھی تمام باشندوں نے بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپکا شاید یہ منشا ہو گا کہ اہل مکہ کو مدینے کے طور پر چھوڑ دیا جاوے کہ رفتہ رفتہ خود بخود بلا اکراہ و اجبار اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے“ (لائف آف محمدؐ از سر ولیم میور جلد 4 صفحہ 136)

ہمیں کتب مغازی میں (خواہ کیسی ہی نا قابل وثوق کیوں نہ ہوں) کوئی ایک بھی ایسی مثال نظر نہیں آتی کہ آنحضرتؐ نے کسی شخص کسی خاندان کسی قبیلے کو بزور شمشیر و اجبار مسلمان کیا ہو۔ سر ولیم میور صاحب کا فقرہ کیسا صاف صاف بتاتا ہے کہ شہر مدینے کے ہزاروں مسلمانوں میں سے کوئی ایک شخص بھی بزور و اکراہ اسلام میں داخل نہیں کیا گیا۔ اور مکہ میں بھی آنحضرتؐ کا یہی رویہ اور سلوک رہا۔ بلکہ ان سلاطین عظام (محمود غزنوی، سلطان صلاح الدین ،اورنگ زیب) کی محققانہ اور صحیح تواریخ میں کوئی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ کسی شخص کو انہوں نے بالجبر مسلمان کیا ہو۔ ہاں ہم اُنکے وقت میں غیر قوموں کو بڑے بڑے عہدوں اور مناصب پر ممتاز و سرفراز پاتے ہیں۔ پس کیسا بڑا

ثبوت ہے اہل اسلام نے قطع نظر مقاصد ملکی کے اشاعت اسلام کیلئے کبھی تلوار نہیں اُٹھائی۔‘‘
(فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب جلد1 صفحہ 95تا98)

اعتراض: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (محمد:20) اور اس کے امثال سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہ گار ہونا ثابت ہوتا ہے

’’ایک عیسائی کے اعتراض ’’وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ... (محمد:20) اور اس کے امثال سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہ گار ہونا ثابت ہوتا ہے‘‘ کے جواب میں فرمایا:

پھر کیا ہوا۔ سوچو تو سہی۔ مسیحؑ ملعون بنیں اور ان کی الوہیت اور خدائی میں بٹّہ نہ لگے بایں ہمہ گنہگار کہ تمام عیسائیوں کے معاصی سے گنہگار ہوئے اور بقول ایوب عورت کے شکم سے نکل کر صادق نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ دیکھو ایّوب وہ جو عورت سے پیدا ہوا کیا ہے کہ صادق ٹھہرے۔(15 باب 14 ایّوب)

پھر مریم جب بگناہ موروثی آدم گنہگار تھی تو مسیحؑ کو کوئی پاک نہیں ٹھہرا سکتا۔ کون ہے جو ناپاک سے پاک نکالے۔ کوئی نہیں۔(ایوب14 باب4) اور پھر عیسائیوں میں تمام آدمی آدم کے گناہ سے گنہگار ہیں اور آدم کا گناہ عورت سے شروع ہوا۔ تو مریم اور اس کا بیٹا کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں؟ پس گنہگار اگر الوہیت سے معزول نہیں تو گنہگار نبوّت اور رسالت سے کیسے معزول ہو سکتا ہے اور سنو! کتب مقدّسہ کا محاورہ ہے۔ مورثِ اعلیٰ کا نام لے کر قوم کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ دیکھو یشرون (یعقوب) موٹا ہوا۔ اور اُس نے لات ماری۔ توتُو موٹا ہو گیا۔ چربی میں چھپ گیا۔ خالق کو چھوڑ دیا۔ (استثناء32 باب9،10) یعقوب کو جیسی اُس کی روشیں ہیں۔ سزا دیگا۔(11 باب2 ہوشیع) یعقوب کو اس کا گناہ اور اسرائیل کو اُس کی خطاجتاؤں (میکہ 3 باب 8) یہ تو عہد عتیق کا محاورہ سنایا۔ اب عہدِ جدید کو سنیئے اس نے تو حد کر دی ہے:

سنو! سنو! سنو! مسیحؑ نے ہمیں مول لے کر شریعت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلہ سے لعنت ہوا۔(نامہ گلتّیاں 3 باب 13 ، 2 قرنتی 5 باب 21)

پس میں کہتا ہوں جب صاحبِ قوم قوم کے گناہ سے گنہگار کہا جاتا ہے۔ اور جب قوم کو صاحب قوم کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ تو آپ ان آیات میں جن سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گنہگار ہونا ثابت کرتے ہیں اس امر کو کیوں فروگزاشت کیے دیتے ہیں بایں ہمہ جن آیات سے آپ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت الزام قائم کرتے ہیں۔ ان میں یقینی طور پر بلحاظ عربی بول چال کے اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ مثلاً سوچو۔ آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (محمد:20) میں ہم کہتے ہیں۔ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ والا واؤ عطف تفسیری کا واؤ ہے۔ اور واؤ تفسیری خود قرآن میں موجود ہے۔ دیکھو سورۂ رعد۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ (الرعد:2) تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ

وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ (الحجر:2) (فصل الخطاب حصّہ اوّل طبع دوم صفحہ 167، 168) ”(حقائق الفرقان 3 صفحہ 582 تا 584)

اعتراض: ” اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ لِّیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ (الفتح:2،3)اس آیت میں محمد ﷺ نے بڑی دلیری کی اور اپنے آپ کو باہمہ گنہگاری بےڈر یقین کیا۔“

اس اعتراض کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بیان فرماتے ہیں:

”جواب حقیقی۔ ایسے بشارات حسب کتب مقدسہ ضرور ہوا کرتے ہیں۔ دیکھو متی۔ پطرس نے جب کہا ہم نے تیرے لئے سب کچھ چھوڑ دیا۔ تو مسیحؑ نے فرمایا تم بادشاہت کے وقت بارہ تختوں پر بیٹھو گے۔ (19باب 29متی) اگر کہو مسیحی بشارات اور پطرس کی خوشخبری مشروط تھی۔ بدون شرط نہیں۔ تو ہم کہتے ہیں مسیحی اور پطرسی شرط کا تو ذکر انجیل میں نہیں۔ قرآنی بشارات کا خود قرآن میں ذکر ہے دیکھو آیت لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ مطلب یہ ہے کہ اگر خاتمہ ایمان پر ہوا تو تیرے گناہ معاف ہیں۔

اور سنو فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا کے معنے آپ لوگوں کو معلوم نہیں۔ اس آیت شریف کی تفسیر کیلئے قرآن ہی عمدہ تفسیر ہے اور وہ آیت مفسرہ آیت اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ہے۔ فتح سے مراد ہے دل پر علوم باری اور آسمانی بادشاہت کے اسرار کا کھولنا اور جب وہ کھلتے ہیں تو توبہ اور خشیت اور خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے جسکے باعث گناہ نہیں رہتے۔ انسان نئی زندگی پاتا ہے۔ نیا جلال حاصل کرتا ہے۔

ایک اور جواب سنیئے۔ مسیحؑ حواریوں کو فرماتے ہیں۔ جن کو تم بخشو ان کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اور جنہیں تم نہ بخشو گے نہ بخشے جائیں گے۔ (یوحنا20باب 23)۔ بھلا جہاں مچھوں اور ٹوریوں کو گناہ بخشنے کا اختیار ہے۔ وہاں باری تعالیٰ کو ایک خاتم الانبیاء کے گنا بخشنے کا اختیار کچھ تعجب انگیز اور محل انکار ہے۔ ہرگز نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے نبی عرب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتوحات دیں۔ ظاہری فتوح فتح مکہ وغیرہ جسکے ظہور سے بت پرستی کا استیصال اس شہر سے کیا عرب جیسے بت پرست ملک سے ابد کے لئے ہو گیا۔ اور تمام دنیا میں توحید ربوبیت کے علاوہ توحید الوہیت کا شور مچ گیا۔ اور مختلف قبائل عرب لوٹ مار کرتے۔ شراب خوری اور جوئے بازی پر فخر بگھارتے، سراسر اخلاق مجسم پورے موحد ہو کر نیک چال پر آ گئے۔ اتنی ہدایت پھیلانے سے ہادی کے گناہ معاف نہ ہوئے ہوں بالکل عقل کے خلاف ہے۔ اور فتوحات باطنی کا حال آگے لکھ چکا ہوں۔“(فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب حصہ اول صفحہ 202، 203)

اعتراض: ”محمدؐ صاحب نے اپنے لے پالک کی جورُو سے عشق کیا پھر لوگوں سے ڈرے تو ایک آیت اتارلی“

اس اعتراض کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بیان فرماتے ہیں:

”جواب الزامی: معترض نے عشق کا ثبوت تو کوئی نہ دیا۔ لوگوں سے ڈرنا مقتضائے بشریّت ہے۔ حضرت مسیح

بقول آپ کے باوجود الوہیت کے لوگوں (یہود) سے ڈرتے رہے۔ اور حاکم کے سامنے حضرت سے کچھ نہ بن پڑا۔ صُمٌّ وَبُکْمٌ سے رہ گئے۔ بھلا صاحبان جس صبح کو پکڑے گئے اس رات مسیح کی کیا حالت تھی۔ (متی 26 باب 38 آیت)

اگر لے پالک کی بیوی سے شادی منع ہے۔ تو اسکا ثبوت توریت یا انجیل یا شرعِ محمدیؐ (قرآن) سے یا دلائل عقلیہ سے دیا ہوتا۔ بلکہ میں کہتا ہوں سارے عیسائی لے پالک بیٹے ہیں (نامۂ رومیاں 8 باب 5) تو اب کیا وہ باہمی عقد میں بہنوں سے نکاح کرتے ہیں، توریت میں بھی بہن سے نکاح حرام ہے۔ اگر کہو۔ وہاں حقیقی بہن مراد ہے تو کیا دینی بہن سے نکاح جائز ہے۔ پولوس صاحب فرماتے ہیں "کیا ہمیں اختیار ہے کہ دینی بہن سے نکاح کر لیں" (1۔ قرنتی 9 باب 5)

ہم کہتے ہیں اسی طرح حقیقی بیٹے کی جورو سے نکاح منع ہے نہ لے پالک کی جورو سے۔ مجھے اسوقت مولوی لطف اللہ لکھنوی یاد آ گئے ان سے بھی ایک پادری صاحب نے مجمع عام میں یہی سوال کیا تھا۔ آپ نے کیا خوب جواب دیا۔

"سارے راستباز خدا کے فرزند ہیں۔ تو یوسف نجّار بھی فرزند تھا۔ پھر اس کی جورو سے خدا نے فرزند لیا۔ پس اگر اس کے رسول نے لے پالک کی بی بی مطلّقہ سے نکاح کیا۔ تو کیا عیب ہے۔ اگر جماع عیب ہے۔ تو ایک عضو کی نسبت سارے سموچے خدا کے رحم میں ازراہ... چلا جانا اور پھر مجسّم بن کر نکل کر کھڑا ہونا تو شاید اور بھی معیوب ہو گا۔ زید نے تو طلاق بھی دے ڈالی تھی۔ یوسف سے تو کسی نے براءت نامہ بھی نہ لیا ہاں شاید الوہیت اور رسالت میں یہی فرق ہو گا۔ کہ اس میں طلاق کی ضرورت نہیں رہتی۔"

کتبِ مقدسہ کے محاورات تمہیں تعجب انگیز معلوم نہیں ہوتے۔ اے میری زوجہ۔ اے میری بہن۔ تیرا عشق کیا خوب ہے۔ تیری محبت مَے سے کتنی زیادہ لذیذ ہے۔ (غزل الغزلات 4 باب 10، 5 باب 1)

حقیقی جواب: اصل قصّہ یوں ہے کہ زینبؓ ایک بڑے خاندان کی عورت تھی۔ آنحضرتؐ نے اپنے خادم زید کے لئے اس کے وارثوں کو ناطہ کا پیغام دیا۔ وہ اپنی عظمت اور شرافت شان کے خیال سے اوّل تو ناراض ہوئے پھر آخر کار راضی ہو گئے۔ کچھ مدّت تو جوں تُوں کر کے بسر ہوئی۔ آخر زید نے اس کی تعلّی اور طنز و تعریض سے تنگ آکر اس کے چھوڑ دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چونکہ آپ بذاتِ مبارک اس شادی کے انصرام کے متکفّل ہوئے تھے۔ اس لئے اس طلاق کے انجام اور اس کے مفاسد پر قومی دستوروں اور حالات معاشرت ملکی کے لحاظ سے آپ کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ رخنہ جو کفّار اور حیلہ طلب معاندین کو رسماً و عرفاً ایسے موقع پر بہت ملامت و طنز کا قابو مل سکتا تھا۔ اور آپ گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ اس مفارقت اور معاشرتی ناچاقی کا حال مخالفین منکرین پر کھلنے پائے جو اُن کی زبان درازی اور تعریض کا باعث ہو۔ اور نیز زینب کے وارثوں کا خیال ایک رسمی اور قومی خیال تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اور بھی مضطرب کرنے کا موجب ہو سکتا تھا۔ بنابر آں آپؐ نے زید کو بہت

روکا۔ اور تلخیٔ معاشرت پر صبر کرنے کی بہت نصیحت وہدایت کی اور سخت الحاح واصرار کیا کہ وہ اس ارادے سے باز آجاوے۔ مگر خدا کو ایک عظیم الشان کام پورا کرنا اور ایک خلافِ قدرت مضر معاشرت رسم کا توڑنا منظور تھا۔ اس موقع پر قرآن کے الفاظ جن میں آنحضرت کی دلی حالت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ الہامی حقیقت پہچاننے والے منصف کے نزدیک قابلِ غور ہیں۔

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ وَ تَخۡشَی النَّاسَ ۚ وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰہُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا (الاحزاب: 38)[ترجمہ: اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا رہنے دے اپنے پاس اپنی جورو اور ڈر اللہ سے اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز کو جو اللہ اس کو کھولا چاہتا ہے اور تو ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیئے ڈرنا تجھ کو پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے وہ تیرے نکاح میں دی۔ تا نہ رہے سب مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینا اپنے لیپالکوں کی جورویں جب وہ تمام کریں ان سے اپنی غرض اور ہے اللہ کا حکم کیا گیا۔]

خصوصًا آیت اَمۡسِکۡ... الخ ''اپنی بی بی کو نگاہ رکھ اور اللہ سے ڈر'' بہت غور کے قابل ہے ''خدا سے ڈر'' یہ ایسے الفاظ ہیں کہ بازداشت اور زجر کیلئے اس سے زیادہ اور نہیں کہا جا سکتا۔ عیسائیوں کی شوخی اور جرأت سخت قابلِ افسوس ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپرے دل سے زید کو منع کیا،(لائف آف محمدؐ از سر ولیم میور صفحہ 238) معلوم نہیں صادق کے دل کے اظہار مافی الضمیر کا اور کیا طریق ہو سکتا ہے۔

کسی سوسائٹی کے رسوم و آئین کی اصلاح میں اگر کسی مصلح کو تکالیف و زحمات اٹھانی پڑتی ہیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چند در چند صعوبات اٹھانی پڑتیں اور پڑنے والی تھیں جن کے در پیش عرب جیسی غیر مہذب اکھڑ سوسائٹی کے خلافِ قدرت اور مضرِ معاشرت رسوم کا اصلاح کرنا تھا۔ عرب میں ہندوؤں کی طرح مُتَبَنّٰی (منہ بولا بیٹا) صُلبی بیٹے کی مانند سمجھا جاتا تھا۔ اس رسمِ قبیح سے جو نتائج فاسدہ دنیا میں ہوئے اور ہوتے ہیں عیاں ہیں،اور حقیقۃً قدرت کہاں اجازت دیتی ہے کہ پسرِ حقیقی اور متبنّٰی دونوں مساوات کا درجہ رکھیں۔ قرآن نے اس مضر اصل کی بیخ کنی کر دی کہ ''منہ بولے بیٹے تمہارے بیٹے نہیں ہیں۔ تمہارے بیٹے وہی ہیں جو تمہارے نطفے سے ہیں'' اب یہاں قوم وملک کے رسوم کے مخالف دو عظیم مشکلوں کا سامنا آپؐ کو کرنا پڑا۔

ایک تو خدا کے قول و فعل کے مطابق رسم تبنّیت کا (کہ وہ حقیقی بیٹے کے مانند ہے) اور دوسرا ایک مطلّقہ عورت سے (جس سے شادی کرنا عرب جاہلیت میں سخت قابلِ ملامت و نفرت اور ذلّت تصوّر کرتے تھے) نکاح کرنا۔

مگر چونکہ عقلاً و رسماً و شرعاً یہ افعال معیوب نہ تھے۔ اور ضرور تھا کہ مصلح و ہادی خود نظیر بنے تا کہ تابعین کو تحریک و ترغیب ہو۔ آپ پہلے بے شک بمقتضائے بشریت گھبرائے اور بالآخر ان مشکلات پر غالب آکر ایک عجیب نظیر قائم کر دکھلائی۔

پادری صاحب کی عقل پر افسوس آتا ہے جو کہتے ہیں ''محمد نے لوگوں سے ڈر کر آیت اتارلی'' کون سی آیت اتارلی۔ اور ڈر ہی کیا تھا۔ آنحضرتؐ کو اس بات کا ڈر تھا اور لوگوں کی طرف سے خوف تھا کہ دشمن اس بات کا طعنہ دیں گے کہ ان کا اپنے ہاتھ سے کیا ہوا کام انجام کو نہ پہنچا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اس مزاوجت کے متکفل اور منصرم ہوئے تھے۔ اور بڑے اصرار سے زینب کے وارثوں سے اس کو زید کیلئے مانگا تھا۔ اور اب اس مفارقت پر دشمن طعنہ دے سکتے تھے۔ بیشک اس بات کا آپؐ کو خوف تھا۔ اور ان کی اس ناچاکی کو وہ اخفا کرنا چاہتے تھے۔ جو بالآخر پھُوٹ نکلی۔ اسی خوف و اخفا کی نسبت قرآن کریم فرماتا ہے کہ تُو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ ڈرنا تو مجھ سے چاہیئے۔ یہ ایک عجیب محاورۂ قرآنی ہے۔ مطلب ایسے جملے کا یہ ہوتا ہے کہ جو امر حسبِ مقتضائے قانونِ الٰہی ہو اس کے اجر اور تعمیل میں انسان سے ڈرنا یعنی اس کا عمل میں نہ لانا عبث ہے۔

ناقص العقل پادری اتنا بھی خیال نہیں کر سکتے کہ اگر اس عقد میں کوئی امر معیوب اور قادِحِ نبوّت ہوتا تو یقیناً اوّل منکر زید ہوتا۔ حالانکہ بعد ازاں بہت دنوں تک اسلام اور سچّے ہادی کی خاطر بڑے بڑے معرکوں اور مہلکوں میں جاں نثاری کرتا رہا۔ اور بڑے بڑے غیوّر جرّی صحابہ (جو یقیناً مچھوؤں اور باج گیروں سے بہت بڑھ کر وقعت و غیرت میں تھے) جو اسلام کے رکن رکین تھے۔ بہت جلد ہاں اسی دم آپ کے پاس سے ٹوٹ پھوٹ جاتے اور یہ تانا بانا درہم برہم ہو جاتا۔ میں سچّے دل سے کہتا ہوں کہ اس قصّے کا ہونا قرآن کے کلام اللہ ہونے کا بڑا بھاری ثبوت ہے اور یہ نبی عرب کی ترکیب و آورد (جیسے منکرین سمجھتے ہیں) کلام نہیں۔ کیا امانت کا حق ادا کیا ہے۔ کیا صادق امین ہے کہ تمام الٰہی واردات اور ربّانی الہامات و واقعات بلاکم و کاست دنیا کے آگے رکھ دیئے۔ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔''

(فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب حصہ اول صفحہ 154 تا 158)

اعتراض: ''لے پالک بیٹے کی بیوی حلال ہے اس طرح تو لوگ لے پالک بنا کر اور جائیداد کا طمع دے کر جوڑ توڑ سے عورت اڑا لیں گے بغیر نکاح و گواہ تصرف میں لانے کے لئے آیت قرآن پیش ہو گی۔''

اس اعتراض کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بیان فرماتے ہیں:

''**الجواب:** لے پالک بنا کر۔ ہاں! لے پالک بنانا شرع اسلام میں جائز نہیں۔ تو آپ کا اعتراض کیونکر چسپاں ہو گا۔ لے پالک بیٹا حقیقۃً بیٹا ہی نہیں اور اس کو بیٹا کہنا سچ نہیں اسی واسطے قرآن نے جو حقیقت کا کاشف ہے اسکو بیٹا کہنا

جائز قرار نہیں دیا۔ کیونکہ بیٹا باپ کی جزو ہوتا ہے۔ اور لے پالک غیر اور غیر کی نسل سے ہے۔ مجھے ہمیشہ خیال آتا ہے کہ حقیقی علوم کا معلم نیوگ کو کیونکر جائز کر سکتا ہے۔ کیونکہ نیوگی بیٹا نیوگ کنندہ کا نطفہ اور اسکا جزو ہوتا ہے۔ نیوگ کنندہ اولاد کا لالچ دے کر لذّت و مزہ بھی اٹھالے اور پھر اپنے بیرج کی اولاد کو دوسرے کے مال و دولت کا مالک بھی بنا لے اور آہستہ آہستہ جوڑ توڑ کر کے آخر عورت بھی اڑالے۔ اور اپنا ہی بیٹا جائیداد کا مالک کر دے اور پھر عذر کر دے کہ یہ وید کا ارشاد ہے۔ آہ۔ کوئی سمجھنے والا ہو۔

پھر اسلام میں لے پالک کی بیوی کیونکر ناجائز ہو گی۔ جبکہ لے پالک بنانا ہی جائز نہیں۔ پھر کسی دوسرے کی بی بی بدون طلاق کے اور اس کی عدّت گزرنے سے پہلے جائز نہیں پھر بدون نکاح اور گواہوں بلکہ بلا رضامندی۔ ان والیوں کی جو عورت کے مہتمم ہوں۔ ہمارے مذہب میں کسی عورت کا بیاہنا جائز نہیں ہاں نیوگ میں یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ سو وہ ہمارے یہاں ممنوع اور آپ کے یہاں ضروری ہے۔ سوچو اور غور کرو کہ اس خبیث الزام کا نشانہ وید کا مذہب ہے یا کوئی اور۔ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اسکا کلام قرآن کریم ہر قسم کے ناپاک الزاموں سے پاک اور اس کے غیر ہر طرح کی نجاستوں میں آلودہ ہیں۔ کوئی رشید ہے جو غور کرے!"

(نورالدین بجواب ترک اسلام صفحہ 223 مطبوعہ 1923ء)

اعتراض:"اِس سوال کے جواب میں کہ "اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر ہوتے تو اُس وقت کے سوالوں کے جواب میں لاچار ہو کر یہ نہ کہتے کہ خدا کو معلوم ہے یعنی مجھے معلوم نہیں" فرمایا:۔

"خاکسار عرض پرداز ہے۔ مخالف اور موافق لوگوں نے **حضور علیہ السّلام سے جس قدر سوال کئے اُن کا جواب اگر ممکن تھا تو حضور علیہ السّلام نے ضرور دیا ہے۔** قرآن میں حسبِ ذیل سوالات کا تذکرہ موجود ہے۔ مُنصف غور کریں۔

اوّل رمضان کے مہینہ اور روزوں کے چاند کا تذکرہ جب قرآن کریم نے کیا تو لوگوں نے رمضان کے اَور اَور چاندوں کا حال دریافت کیا جیسے قُرآن کہتا ہے اور ماہِ رمضان کے تذکرہ کے بعد اِس سوال کا تذکرہ کرتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ (البقرہ:190)

پوچھتے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے رمضان کے سوا اَور چاندوں کا حال یعنی ان میں کیا کرنا ہے اِس سوال کے جواب سوال کے بعد ہی بیان کیا گیا اور جواب دیا:

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (البقرہ:190)

تُو اِس سوال کے جواب میں کہہ دے کہ یہ چاند لوگوں کے فائدہ اُٹھانے کے وقت ہیں اور بعضے چاندوں میں

حج کے اعمال ادا کئے جاتے ہیں۔

دوسرا سوال یہ ہے:

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:216)

سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ اِس کا جواب قُرآن نے دیا ہے:

مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (البقرہ:216)

جو کچھ خرچ کرو مال سے تو چاہیئے کہ وہ تمہارا دیا اور خرچ کیا تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے ہو۔

تیسرا سوال يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ (البقرہ: 218) پُوچھتے ہیں تجھ سے حُرمت والے مہینہ کے متعلق کہ اس میں جنگ کا کیا حکم ہے؟ تو جواب دیا:

قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (البقرہ:218)

تُو جواب دے اِس مہینہ میں لڑائی کرنا بُری بات ہے اور اس سے حج و عمرہ کی سی عبادت سے روکنا لازم آتا ہے۔

چوتھا سوال يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (البقرہ: 220) پوچھتے ہیں تجھ سے شراب اور جُوئے کی بابت۔ تُو جواب دے۔

فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ (البقرہ:220)

شراب خوری اور قمار بازی نہایت بڑی اور بُری بدکاری ہے۔

پانچواں سوال يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ (البقرہ:220) پُوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ تُو جواب دے:

الْعَفْوَ (البقرہ:220) اپنی حاجت سے زیادہ مال کو خرچ کرو۔

چھٹا سوال يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ (البقرہ: 223) پُوچھتے ہیں حَیض میں عورت سے صُحبت جائز ہے یا نہیں؟ تو جواب دے:

هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ (البقرہ:223)

حَیض کے دنوں میں جماع کرنا دُکھ دیتا ہے۔ حَیض کے دنوں میں عورتوں کی صحبت سے الگ رہو۔

ساتواں سوال يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى (البقرہ:221) پُوچھتے ہیں یتیموں کے متعلق۔ جواب دے:

اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ (البقرہ:221)

یتیموں کے مال، عزّت، پرورش غرض ہر طرح اُن کی اِصلاح اور سنوار عمدہ بات ہے۔

آٹھواں سوال يَسۡـَٔلُوۡنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمۡ (المائدہ:5) پوچھتے ہیں کیا کچھ کھانے میں حلال ہے۔ جواب دے:

اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ (المائدہ:5)

تمہارے لئے تمام وہ چیزیں جو غالب عمرانات کے سلیم الفِطرتوں میں سُتھرے اور پسندیدہ ہیں وہ تو حلال کر دی گئیں۔

نواں سوال يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡاَنۡفَالِ (الانفال:2) تجھ سے پُوچھتے ہیں غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ تو جواب دے:

الۡاَنۡفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ (الانفال:2)

غنیمت کی تقسیم اللہ پھر رسولؐ کے اختیار میں ہے۔

دسواں سوال وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِى الۡقَرۡنَيۡنِ (الکہف:84) ذوالقرنین کا قِصّہ تجھ سے پوچھتے ہیں تو جواب میں قصّہ سُنا دے۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الۡاَرۡضِ (الکہف:85) سے ذوالقرنین کا قِصّہ شروع کر دیا اور بقدر ضرورت اسے تمام کیا۔ یہ ذوالقرنین وہ ہے جس کا ذکر دانیال 8 باب 8 میں ہے۔

گیارھواں سوال يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ (طٰہٰ:106) تجھ سے پُوچھتے ہیں ایسے مضبوط پہاڑ کیا ہمیشہ رہیں گے۔ تو جواب دے:

يَنۡسِفُهَا رَبِّىۡ نَسۡفًا (طٰہٰ:106)

اُڑا دے گا اور پہاڑوں کو پاش پاش کر دے گا میرا ربّ۔

بارھواں سوال يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ (بنی اسرائیل:86) تجھ سے سوال کرتے ہیں قرآن کِس کا بنایا ہوا ہے۔ تو جواب دے۔

مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ (بنی اسرائیل:86)

یہ قرآن میرے رب کا حکم اور اسی کا کلام ہے۔

یاد رکھو میں نے روح کا ترجمہ قرآن کیا ہے۔ اس کے کئی باعث ہیں۔

اوّل: قرآن میں خود اِس وحی اور کلامِ الٰہی کو رُوح کہا گیا۔ وَالۡقُرۡاٰنُ يُفَسِّرُ بَعۡضُهٗ بَعۡضًا۔ دیکھو وَكَذٰلِكَ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا (الشوریٰ:53) اور اِس طرح وحی کی ہم نے تیری طرف رُوح اپنے حکم سے۔

دوم: يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ کے ماقبل اور مابعد قرآن کریم کا تذکرہ ہے۔ ہاں ممکن ہے کہ ہم اِس آیت میں رُوح کے معنے اُس فرشتہ کے لیں جو وحی لاتا تھا اور جس کا نام اسلامیوں میں جبرائیل ہے۔ یا یُوں کہیں کہ رُوح کے مخلوق اور

غیر مخلوق ہونے کا سوال ہوا۔ جواب دیا گیا۔ رُوح حادث اور ربّ کے حکم سے ہوا ہے۔

تیرھواں سوال یَسۡـَٔلُكَ اَهۡلُ الۡكِتٰبِ مانگتے ہیں تجھ سے یہودی اور عیسائی اَنۡ تُنَزِّلَ عَلَيۡهِمۡ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ(النساء:154) اہلِ کتاب کہ ان پر اُتار دے تُو ایک کتاب آسمان سے۔ یہ سوال اہلِ کتاب نے اِس لئے کیا کہ محمد صاحب(صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعوٰی کیا ہے کہ مَیں موسیٰؑ کی مانند نبی ہوں اور وہی ہوں جس کی بابت توریت استثناء کے 18 باب 18 میں پیشگوئی موجود ہے اور اس نبی کی پیشگوئی توریت میں اِس طرح لکھی تھی: تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اسکے مُنہ میں ڈالوں گا(استثناء18 باب18) پس لامحالہ اس نبی کے واسطے کوئی ایسی کتاب آسمان سے نہ اُترے گی جو لکھی لکھائی آجاوے کیونکہ توریت میں تو لکھا ہے ”اپنا کلام اس کے مُنہ میں ڈالوں گا“ پس ایسے سوال کے جواب میں فرمایا:

فَقَدۡ سَاَلُوۡا مُوۡسٰٓى اَكۡبَرَ مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالُوۡۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهۡرَةً(النساء:154)

باقی پانچ سوال یہ ہیں جن کے جواب میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے یہ فرمایا ہے۔ **میرا ربّ جانتا ہے:**

اوّل: یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰٮهَا(الاعراف:188) پوچھتے ہیں قیامت کی گھڑی کب ہو گی؟ جواب دیا قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّىۡ(الاعراف:188) تُو کہہ کہ اِس کا علم میرے ربّ ہی کے پاس ہے۔

دوسرا: یَسۡـَٔلُوۡنَ اَيَّانَ يَوۡمُ الدِّيۡنِ (الذٰریٰت:13) پُوچھتے ہیں جزا کا دن کب ہو گا جس کا جواب کچھ نہیں دیا۔ غالباً اِس لئے کہ وہ ہمیشہ ہے یا اِس لئے کہ ان کی مُراد قیامت ہے۔

تیسرا: یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرۡسٰٮهَا (النازعات: 43) پُوچھتے ہیں وہ گھڑی کب ہوگی گی؟ جس کا جواب دیا فِيۡمَ اَنۡتَ مِنۡ ذِكۡرٰٮهَا۔ اِلٰى رَبِّكَ مُنۡتَهٰٮهَا۔ (النازعات 45-44) تجھے ایسے قِصّوں سے کیا۔ اس کا علم رَبّ تک ہے۔

چوتھا: يَسۡـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ (الاحزاب : 64) پُوچھتے ہیں اس ساعت کے متعلق ؟ جس کا جواب دیا۔ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ(الاحزاب:64) اس کا عِلم صرف اللہ کے پاس ہے۔

پانچواں: يَسۡـَٔلُوۡنَكَ كَاَنَّكَ حَفِىٌّ عَنۡهَا(الاعراف:188) تجھ سے پُوچھتے ہیں کیا تُو ایسی باتوں کے پیچھے پڑا ہؤا ہے۔ جس کا جواب دیا عِلۡمُهَا عِنۡدَ اللّٰهِ (الاعراف:188) اِس کا علم اللہ کے پاس ہے۔

لاکن اِس سوال کا جواب نہ دینے سے نبوّت میں کوئی نقص نہیں آتا کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اس دن اور اس گھڑی کو میرے باپ کے سوا آسمان کے فرشتہ تک کوئی نہیں جانتا۔“(متی24 باب36)

اَور جگہ فرماتے ہیں:۔

”اس دن اور اس گھڑی کی بابت سوا باپ کے نہ تو فرشتے جو آسمان پر ہیں اور نہ بیٹا کوئی نہیں جانتا ہے۔“
(مرقس 13 باب 32)

سائل اور اس کے ہم خیال غور کریں۔ اس گھڑی کی بابت حضرت مسیحؑ (نے) کیا فتوٰی (دیا) ایسی گھڑی کا وقت نہ بتانا اگر نبوّت اور رسالت میں خلل انداز ہے تو حضرت مسیحؑ کی نبوّت اور رسالت بلکہ عیسائیوں کی مانی ہوئی مسیحؑ کی الوہیّت میں خلل پڑے گا۔ (ایک عیسائی کے تین سوال اور اُن کے جوابات صفحہ 55 تا 58)
(حقائق الفرقان جلد 1 صفحہ 321 تا 325)

اعتراض: ” ایک عیسائی نے اعتراض کیا: ”اگر پیغمبر علیہ السلام سچّے ہوتے تو اصحابِ کہف کی بابت ان کی تعداد میں غلط بیانی نہ کرتے“ کے جواب میں فرمایا:

”نہ قرآن کریم نے اصحابِ کہف کی تعداد بیان فرمائی اور نہ رسولِ کریمؐ نے۔ معلوم نہیں ہو سکتا کہ سائل نے غلط بیانی کا اتہام کیونکر لگایا۔ حضرت رسالت مآبؐ نے تعداد کو بتایا ہی نہیں اور اس کا بیان ہی نہیں کیا۔ تو غلط بیانی کہاں سے آگئی؟ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ سائل کسی کے دھوکہ میں آکر یہ سوال کر بیٹھا ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید میں جہاں اصحابِ کہف کا قصّہ لکھا ہے۔ وہاں تعداد کے متعلق یہ آیت ہے۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّ ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۔ (الکہف:23)

ترجمہ: لوگ کہیں گے تین ہیں چوتھا ان کا کتّا۔ اور کہتے ہیں پانچ ہیں چھٹا ان کا کتّا ہے۔ بے نشانہ تیر چلاتے ہیں اور کہتے ہیں سات ہیں اور آٹھواں کتّا ہے۔ تُو کہہ دے (اے محمدؐ) میرا رب ہی اُن کی تعداد جانتا ہے۔ اور ان کو تھوڑے ہی جانتے ہیں۔

اس آیت شریف سے صاف صاف واضح ہے کہ لوگ ایسا ایسا کہیں گے اور لوگ فلاں فلاں تعداد اصحاب کہف کی بیان کریں گے۔ لاکن ان لوگوں کا کہنا ”بن نشانہ تیر چلانا ہے“ اعتبار کے قابل نہیں۔ غرض حضرت نبی عربؐ نے کوئی تعداد اصحابِ کہف کی نہیں بتائی۔“ (حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 11)

اعتراض: ”ایک عیسائی نے سوال کیا: ”اگر محمدؐ پیغمبر ہوتے تو یہ نہ کہتے کہ سورج چشمہ دلدل میں چھپتا ہے۔ یا غرق ہوتا ہے حالانکہ سورج زمین سے نو کروڑ حصّے بڑا ہے۔ وہ کس طرح دلدل میں چھپ سکتا ہے۔“

اس اعتراض کے جواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے تحریر فرمایا:۔

”تمام قرآن کریم میں کہیں نہیں لکھا کہ سورج چشمۂ دلدل میں چھُپتا ہے یا غرق ہوتا ہے۔ پادریوں کو مدّت سے یہ دھوکا لگا ہے کہ قرآن میں ایسا لکھا ہے حالانکہ قرآن میں نہیں لکھا۔ بات یہ ہے کہ اس ذوالقرنین کا قصّہ جس

کا ذکر دانیال نبی کی کتاب 8 باب 4 میں ہے۔ قرآن کریم نے ایک جگہ بیان فرمایا ہے اور اسی میں کہا ہے جب وہ مادہ اور فارس کا بادشاہ اپنی فتوحات کرتا ہوا بلادِ شام کے مغرب کو پہنچا تو اس خاص زمین کے مغرب میں ایک جگہ ''سورج دلدل میں ڈوبتا'' ذوالقرنین کو معلوم ہوا۔ غالباً جب ذوالقرنین بلیک سی (بحیرہ اسود) یا ڈینیوب کے کنارے پہنچا تو اس وقت ذوالقرنین کو اس نظارہ کا موقع ملا۔ ہم نے مانا کہ سورج زمین سے بہت بڑا ہے۔ لاکن چونکہ ہم سے بہت ہی دور ہے۔ اس واسطے ہم کو چھوٹا سا دکھائی دیتا ہے اور زمین چونکہ کُروی شکل ہے اس واسطے غروب کے وقت ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے فلاں حصّہ یا پہاڑ کی فلانی چوٹی کے پیچھے یا ناظر کے افق کے فلاں درخت کے پیچھے، یا ہمارے مغرب میں پانی اور دلدل ہو جیسے ذوالقرنین کو موقع ملا تو ہم کو مغرب کے وقت سورج اس پانی اور دلدل میں غروب ہوتا ہوا معلوم دے گا۔

کسی خاص ملک کی مشرق اور مغرب پر سورج کا نکلنا اور ڈوبنا بتا دینا مقدس کتب عتیق و جدید کا خاص محاورہ ہے جسے دانیال کی کتاب 4 باب 22 میں اور ذکریا 8 باب 7 میں لکھا ہے۔ نبوکد تیری سلطنت زمین کی انتہاء تک پہنچے اور میں اپنے لوگوں کو سورج کے نکلنے کے ملک اور اس کے غروب ہونے کے ملک سے چھڑالاؤں گا...... دیکھو زکریا کی الہامی کتاب میں صاف لکھا ہے۔ سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کے ملک سے اور قرآن میں اعلیٰ درجے کی راستی سے کہا ہے ذوالقرنین کو ایسا معلوم ہوا کہ سورج دلدل میں ڈوبتا ہے۔ یہاں فرمایا ہے۔ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ''

(حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 39، 40)

اعتراض: خدا کی طرف جھکاتے جھکاتے آخری وقت میں حضرت کو خدا بننے کا خیال آ گیا تھا۔ اور بہت شخصوں کو اپنی عبادت کی طرف بھی رجوع کرانے لگے تھے۔ اس کی تصدیق اس خطبہ سے ہوتی ہے جو بر وقت وفات ان کے حضرت عمرؓ نے پڑھا تھا۔

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان فرماتے ہیں:

''(معترض نے) اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: 11) کو اعتراضات کا نشانہ بنانے کے لئے کلام کو اس طرح پر طول دیا ہے۔

''یہاں پر محمد صاحب کے ہاتھ کو قرآن خدا کا ہاتھ بتلاتا ہے اور اس سے ہاتھ ملانا خدا سے ہاتھ ملانا جتلایا گیا ہے کیا یہی توحید کی تعلیم ہے

غالب یقین ہوتا ہے کہ خدا کی طرف جھکاتے جھکاتے آخری وقت میں حضرت کو خدا بننے کا خیال آ گیا تھا۔ اور بہت شخصوں کو اپنی عبادت کی طرف بھی رجوع کرانے لگے تھے۔ اس کی تصدیق اس خطبہ سے ہوتی ہے جو بر وقت

وفات ان کے حضرت عمرؓ نے پڑھا تھا......"

محمد صاحب کے ہاتھ کو قرآن خدا کا ہاتھ بتلاتا ہے:

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اس کے جواب میں بیان فرماتے ہیں:

"دعویٰ مکذّب کا یہ ہے کہ آیت يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح:11) میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ خاکسار کہتا ہے۔ یہ دعویٰ مکذب کا بالکل افترا اور بہتان ہے۔ قرآن شریف کی کسی آیت میں ہرگز ہرگز، ہرگز موجود نہیں کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا (الکہف:6) جس آیت سے یہ استدلال کیا ہے۔ اس کے معنی صاف ہاں بالکل صاف ہیں کیونکہ يَدُ اللّٰهِ کے معنی عربی زبان میں (1) يَدُ اللّٰهِ یعنی اِنْعَامُهٗ تَعَالٰی (2) يَدُ اللّٰهِ یعنی نُصْرَتُهٗ تَعَالٰی (3) يَدُ اللّٰهِ صِفَةٌ مِنْ صِفَاتِهٖ تَعَالَى الَّذِی لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:12) جیسے میرا اعتقاد ہے ان محاورات پر آیۂ شریفہ کے معنے ہوئے۔

(1) يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ اللہ تعالیٰ کا انعام ان لوگوں کے انعامات کے اوپر ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کی امداد ان لوگوں پر ان لوگوں کی نصرت اور امداد سے اوپر ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ بے مثل کی صفت یَدْ۔ ان لوگوں کی صفت یَدُ کے اوپر ہے۔ حیرانی کی بات ہے کہ اس میں اشکال ہی کیا ہے! ہاں اگر یوں ہوتا کہ يَدِی وَهِيَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ تو کسی قدر اعتراض کا موقع ہوتا......"

آخری وقت میں حضرت کو خدا بننے کا خیال آگیا تھا:

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ اس کے جواب میں بیان فرماتے ہیں:

"خاکسار کہتا ہے تمام دنیا میں توحید کے واعظ آئے اور انہوں نے اپنی قوم کو شرک سے روکا۔ توحید الوہیت کی طرف بلایا آخر کچھ زمانہ کے بعد وہی ہادی معبود بنائے گئے۔ دور نہ جاؤ صرف حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کی حالت پر غور کرلو کہ اس خاکی نہاد انسان کو کیسا آسمان پر اٹھایا گیا۔ ہادی اسلام نے تمام انبیاء ورسل کے وعظ کی اس طرح تکمیل فرمائی کہ اپنی عبودیت کے اقرار و اعتقاد کو توحید کے اقرار و اعتقاد کی جزو لازم کر دیا کہ کہیں آپ کی قوم بھی امم سابقہ کی طرح آپ کو خدا اور معبود نہ بنالے اس احتیاط اور حزم کی یہ برکت اور یہ اثر ہے کہ قوم کی قوم شرک میں گرفتار ہونے سے محفوظ رہی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ سبحان اللہ کیا حکمت ہے کہ آپکی قبر مکہ معظمہ سے بہت دور بنائی گئی تو کہ مکہ معظمہ کی طرف سجدہ کرتے وقت اس قسم کا ممکن احتمال بھی نہ رہے کہ ساجدین کا قبلہ توجہ وہ قبر ہے۔ آثار صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد صحابہ جب سفر سے واپس

آتے تو سیدھے مسجد نبوی میں جا کر دوگانہ ادا کرتے۔ مرقد مبارک کی جانب کوئی بھی رخ توجہ نہ لاتا۔ افسوس اس پر بھی معترضین کا یہ حوصلہ ہے۔ خداوند تعالیٰ ہدایت کرے۔

آپ نے عین وفات کے وقت فرمایا۔ قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاۗئِهِمْ مَسَاجِدَ (یہود و نصاریٰ پر خدا لعنت کرے انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنا لیا) اور وصیت کی۔ وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ۔ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاۗئِهِمْ مَسَاجِدَ (اور میری قبر کو بت نہ بنانا جو پوجا جاوے۔ اللہ کا غضب اٹھ آیا ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔)

اور سنو! عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعَمٍ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ جُهِدَتِ الْاَنْفُسُ وَضَاعَ الْعِيَالُ وَ نُهِكَتِ الْاَمْوَالُ وَ هَلَكَتِ الْاَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللّٰهَ لَنَا فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ نَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ! سُبْحَانَ اللّٰهِ! فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتّٰى عُرِفَ فِيْ وُجُوْهِ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ وَيْحَكَ اِنَّهٗ لَا تَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلٰى اَحَدٍ شَاْنُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذَالِكَ۔ (جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ جانوں پر آفت بنی ہوئی ہے۔ بال بچے تلف ہو گئے ہیں۔ مال تباہ ہو گئے مویشی ہلاکت پر آ گئے آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے واسطے پانی مانگیے ہم آپ کو اللہ کے پاس سفارشی لے جاتے ہیں اور اللہ کو آپ کے پاس۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں کہا سبحان اللہ سبحان اللہ اور بار بار سبحان اللہ پڑھتے۔ (جیسے اس کے کلام سے سخت بے زار اور مضطرب ہو گئے ہیں) پھر فرمایا بھولے آدمی اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لے جایا کرتے اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بڑی ہے۔)

ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد برکت مہد میں ایک خطیب نے اثنائے خطبہ میں مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَ اهْتَدٰى کے بعد یہ کہا۔ وَمَنْ يُعْصِهِمَا۔ اس پر آپ نے فرمایا بِئْسَ الْخَطِيْبُ اَنْتَ۔ وَعَنْ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُطْرُوْنِيْ كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهٗ، فَقُوْلُوْا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ متفق علیہ

سجدہ کرنے کرانے کی بابت سن لو۔ کیا لطیف واقعہ گزرا ہے۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ: لَرَسُولُ اللّٰهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَحَقُّ أَنْ يُسْجَدَ لَهُ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقُلْتُ: إِنِّي أَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَأَنْتَ أَحَقُّ بِأَنْ يُسْجَدَ لَكَ، فَقَالَ لِي: أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ؟ "فَقُلْتُ لَا فَقَالَ: "لَا تَفْعَلُوا

(مشکوٰۃ شریف صفحہ نمبر 274 کتاب النکاح۔ باب عشرۃ النساء۔ الفصل الثالث)

(ترجمہ: قیس بن سعد کہتے ہیں کہ میں حیرہ میں جو گیا وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ اپنے حاکم کو سجدہ کرتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تو اور بھی زیادہ حق ہے کہ انہیں سجدہ کیا جاوے۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے حیرہ میں ایسا دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے حاکم کو سجدہ کرتے ہیں آپ تو زیادہ تر حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جاوے آپ نے فرمایا اچھا تو اگر تجھے میری قبر پر سے گزرنے کا اتفاق کبھی ہوا تو تو کیا اسے سجدہ کرے گا۔ تو میں نے کہا نہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا ہاں، خبر دار ایسا مت کیجیؤ)

(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ 190 ، 193 تا195)

اعتراض: حضرت نبی عرب پر معجزہ کا ظہور نہیں ہوا۔

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان فرماتے ہیں:

”وہ آیت جس سے نبیٔ عرب اور محسن تمام خلق صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے منکروں نے دھوکہ کھایا ہے اور جس کا ذکر بہت سننے میں آیا ہے۔ یہ ہے۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ (بنی اسرائیل:60)

اس آیت شریف سے منکرین نے یقین کیا ہے کہ حضرت نبی عرب پر معجزہ کا ظہور نہیں ہوا۔ کیونکہ معنے اس آیت کے یہ سمجھے ہیں کہ پہلوں نے معجزات کو جھٹلایا۔ اس واسطے ہم معجزات کے بھیجنے سے رُک گئے مگر یہ ان کا خیال غلط ہے۔

اوّل اس لئے کہ معجزات اور آیات کے وجود کا تذکرہ قرآن کریم میں بکثرت موجود ہے اور محمد صاحب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے معجزات نہ ماننے والوں کو اس لئے کہ ہدایت اور موجودہ چیز کے منکر ہیں ظالم اور فاسق اور کافر کہا ہے اور اِلَّآ کا لفظ جو مَا مَنَعَنَآ والی آیت میں ہے۔ عرب کی زبان میں جن کی بولی پر قرآن کریم ہے۔ زائد بھی آتا ہے۔ دیکھو ذوالرمّہ کا یہ قول

حَرَاجِيحُ مَا تَنْفَكُّ إِلَّا مُنَاخَةً

عَلَى الْخَسْفِ أَوْ نَرْمِي بِهَا بَلَدًا قَفْرًا

میرے لمبے قد کی اونٹنی ذلیل بیٹھی رہتی ہے۔ یا اس پر دُور دراز کے بے آب و گیاہ میدانوں کا سفر کرتا ہوں۔ دیکھو اس تحقیق پر۔ اس آیت شریف کے معنی جس کو منکرین معجزہ پیش کرتے ہیں۔ یہ ہوئے ”اور نہیں منع کیا ہم کو نشانوں کے بھیجنے سے پہلوں کی تکذیب نے“ کم سے کم یہ آیت انکارِ معجزہ پر صاف اور واضح دلیل نہ رہی۔ کیونکہ اس آیت سے معجزہ کا ثبوت نکلتا ہے۔ نہ نفی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اِنْ هٰذَا اِلَّا بِتَاۡئِيْدِ رُوْحِ الْقُدُسِ ...

دوم اس لئے کہ اِلَّآ ایک حرف ہے جس کے معنے واوٴ عاطفہ بھی آتے ہیں۔ دیکھو معانی اور نحو کی بڑی بڑی

کتابیں اور ثبوت کے لئے دیکھو یہ آیت شریف:

اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ۔ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ۔ (النمل:11،12)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے پاس میرے رسولوں اور انہیں خوف ہی نہیں جنہوں نے گناہ کرتے کرتے گناہوں کو چھوڑ دیا اور گناہوں کے جابجا نیکی کرنے لگے۔ امام اخفش، امام فراء، امام ابو عبید ائمہ لغت و نحو نے کہا ہے یہاں اِلَّا واؤ کے معنے پر آیا ہے۔ ایسے ہی آیت شریف

لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْکُمْ حُجَّۃٌ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْھُمْ (البقرۃ:151)

کہ نہ رہے تم پر عام لوگوں اور خاص کر بدکاروں کی کوئی حجت اور دلیل۔ پھر اس تحقیق پر منکرین کے پیش کردہ آیت کے یہ معنی ہوں گے:

”اور نہیں منع کیا ہم کو آیات کے بھیجنے سے کسی چیز نے اور منکروں کی تکذیب نے۔ اور یہ عطف خاص کا ہو گا عام پر۔

غور کرو منکروں کی تکذیب ہرگز ہرگز معجزات کے روکنے والے نہیں۔ اگر ان کی تکذیب روکتی تو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بڑے معجزات کا انکار کیا تھا پھر کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو معجزات عطا نہ کئے بلکہ منکر ہمیشہ انکار کرتے رہے اور معجزات بھی آتے رہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَھٰذَا بِتَائِیْدِ رُوْحِ الْقُدُسِ۔

تیسرا اس لئے کہ ہم نے مان لیا یہاں اِلَّا کا لفظ زائد نہیں۔ عاطفہ بھی نہیں۔ استثنا کے واسطے ہے۔ اَلْاٰیٰتِ کا الف اور لام عہد اور خصوصیت کے معنے دے گا یا عموم اور استغراق کے۔

پہلی صورت عہد اور خصوصیت کی اگر ہوگی تو آیت کے یہ معنے ہوں گے ”اور نہیں منع کیا ہم کو خاص آیات کے بھیجنے سے مگر پہلوں کی تکذیب نے“ اس سے یہ نکلا کہ خاص آیات اور کوئی خاص معجزات نہ آویں گے۔ اس سے عموم معجزات کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔

دوسری صورت یعنی اگر الف اور لام سے عموم اور استغراق لیا جاوے تو یہ معنی ہوں گے۔ ”کل آیات کے ارسال سے پہلوں کی تکذیب نے روکا۔“ مگر اس سے یہ نہیں نکلتا کہ کوئی بھی معجزہ نہیں بھیجیں گے۔

چہارم اس لئے کہ اس مَا مَنَعَنَآ والی آیت سے اتنا ہی نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معجزات کے بھیجنے سے تکذیب کے ماورا کسی چیز نے نہیں روکا اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی روک نہیں۔ کہیں منکروں کی تکذیب سے باری تعالیٰ کو حجت بند کر دیتا ہے؟ ہمیشہ انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کی تکذیب ہوئی۔ مگر وہ آتے رہے۔ ہمیشہ معجزات پر تکذیب ہُوا کی اور

معجزات ہُوا کئے۔

الٰہی طاقتیں اور قوتیں منکرین کی روک سے رکتی نہیں۔ مَنَعَنَآ لفظ کے معنے ہیں روکا ہم کو۔ اس لفظ کے یہ معنی نہیں کہ ہم رک گئے۔ ہاں اگر قرآن کریم میں یوں ہوتا۔ مَا اِمْتَنَعْنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا اَنْ کَذَّبَ بِہَا الْاَوَّلُوْنَ جس کے معنی ہیں نہیں رکے ہم آیات اور نشانات کے بھیجنے سے مگر اس لئے کہ پہلوں نے تکذیب کی۔ تو البتہ منکرین معجزہ کی تقریر کچھ تھوڑی دور تک پڑتی مگر قرآن میں اِمْتَنَعْنَا نہیں مَنَعَنَا ہے جس کے معنی ہیں روکا ہم کو نہ یہ کہ نہ رکے ہم۔

غرض تکذیب نے روکا اور باری تعالیٰ نہ رکا۔ روکنے کے ثبوت میں بفرض و تسلیم یہی آیت اور نہ روکنے کا ثبوت وہ آیات ہیں جن میں ثبوت آیات ہے وَالْقُرْاٰنُ مُتَشَابِہًا اَیْ یُصَدِّقُ بَعْضُہٗ بَعْضًا۔ قرآن کریم کی آیات تشابہ ہیں یعنی ایک آیت دوسری آیت کی مصدق ہوتی ہے نہ اس کے مخالف اور مکذب۔ ھٰذَا اَیْضًا بِتَائِیْدِ رُوْحِ الْقُدُسِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

پنجم اس لئے کہ بعض وہ معجزات جن کو یہودی اور عیسائی اور اہلِ مکّہ اہلِ کتاب کے سمجھانے اور بہکانے سے پوچھتے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئیوں اور بشارتوں کے بالکل خلاف تھے اور ایسے معجزات کو مخالف لوگ اس واسطے طلب کرتے تھے کہ اگر یہ معجزات خلاف بشارات ظہور پذیر ہوئے تو ہم بشارات اور حضور کی ان پیشگوئیوں کے ذریعہ حضور پر اعتراض کریں گے جو انبیاء نے کتبِ مقدّسہ میں حضور کے حق میں کئے ہیں اور اگر ایسے معجزات بلحاظ ان بشارات کے ہم کو دکھائے نہ گئے تو معجزات کے نہ ہونے کا الزام قائم کر دیں گے۔ مثلاً حضور علیہ السلام کی نسبت ایک بشارت میں یہ آیا ہے کہ جو کلام اس نبی موعود پر اُترے گا وہ ایک دفعہ کتاب کے طور پر نازل نہ ہو گا۔ بلکہ وہ کلام اس نبی موعود صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ میں رکھا جائے گا کچھ یہاں اور کچھ وہاں۔

غور کرو کتبِ مقدّسہ کی آیات ذیل:۔

”ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔“

(استثناء 18 باب 18)

”حکم پر حکم۔ حکم پر حکم۔ قانون پر قانون۔ قانون پر قانون ہوتا جاتا۔ تھوڑا یہاں۔ تھوڑا وہاں۔ ہاں وہ وحشی (عربی) کے سے ہونٹوں اور اجنبی زبان سے اس گروہ سے باتیں کریگا۔“ (یسعیاہ 28 باب 10، 11)

ان آیات سے صاف عیاں ہے کہ اس نبی موعود کو جو کلام عطا ہو گا وہ اس نبی کے مُنہ میں ڈالا جاوے گا اور بتدریج نازل ہو گا۔ کچھ یہاں۔ کچھ وہاں۔ یعنی کچھ مکّہ میں اور کچھ مدینہ میں۔ کچھ کہیں۔ کچھ کہیں۔

اب قرآن کریم کی طرف نگاہ کرو۔ اس میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کافر کہتے ہیں

تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیۡنَا کِتٰبًا نَّقۡرَؤُہٗ (بنی اسرائیل:94)

تو اے محمد چڑھ جا آسمان پر اور تیرے چڑھنے پر تجھے نہ مانیں گے جب تک اوپر سے ایسی کتاب نہ لاوے جس کو ہم پڑھ لیں۔

اب بتلایئے اس طلب کا بجز اس کے کیا جواب ہو سکتا ہے کہ پاک ذات ہے میرا رب اس نے میرے لئے جو تجویز فرمادی۔ وہ ناقص نہیں کہ اب تجویز کو بدلا دے اور میں تو بشر رسول ہوں۔ بشر رسول تو ہمیشہ وہی معجزات دکھاتے رہے جو انکی بشارات کے بر خلاف نہ تھے اور وہی نشان لائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے مقرر فرمائے تھے۔

ششم اس لئے کہ معجزات کا ظہور اور انبیاء کا فرمودہ کبھی بتدریج ظہور پذیر ہوتا ہے اور انبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام چونکہ بشر اور رسول ہوتے ہیں۔ وہ کوئی ایسی مخلوق نہیں ہوتے کہ خدائی ارادے کا خلاف چاہیں۔ شریر لوگ ایسے مؤقّت معجزات کو قبل از وقت چاہتے ہیں۔ چونکہ وہ معجزات وقتِ معیّن پر ظاہر ہونے والے اور مشروط بشرائط ہوتے ہیں۔ اسی لئے قبل از تحقیق شرائط اور اس وقتِ معیّن کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان بنی اسرائیل سے جو فرعون کی سخت تکالیف اُٹھا رہے تھے وعدہ ہوا کہ تم کو کنعان وغیرہ وغیرہ کا ملک عطا ہوگا۔ دیکھو توریت۔ ”مَیں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں ہیں یقیناً دیکھی۔ اور انکی فریاد جو خراج کے محصّلوں کے سبب سے ہے سُنی۔ اور مَیں اُن کے دُکھوں کو جانتا ہوں۔ اور مَیں نازل ہوا ہوں کہ انہیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کے اچھی وسیع زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے لے جاؤں۔ کنعانیوں، حتّیوں اور اموریوں اور فرزیوں اور حوّیوں اور یبوسیوں کی جگہ میں لاؤں۔ (خروج 3 باب 7،8)

مگر دیکھو۔ یہ وعدہ اس قوم کے حق میں پورا نہ ہوا۔ جنہوں نے فرعون سے دُکھ اٹھایا۔ دیکھو۔ خداوند نے تمہاری باتیں سنیں اور غصّے ہوا اور قسم کھا کے یوں بولا کہ یقیناً ان شریر پُشت کے لوگوں میں ایک بھی اس اچھی زمین کو جس کے دینے کا وعدہ مَیں نے ان کے باپ دادوں سے قسم کھا کے کیا ہے۔ نہ دیکھے گا۔ مگر یفنّہ کا بیٹا کالب اسے دیکھے گا۔ (استثناء 1 باب 34 تا 36)

ایسے ہی چند معجزات کفّارِ مکّہ نے طلب کئے جن کا ذکر ذیل میں ہے۔

1۔ وَ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا (بنی اسرائیل:91)

2۔ اَوۡ تَکُوۡنَ لَکَ جَنَّۃٌ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡہٰرَ خِلٰلَہَا تَفۡجِیۡرًا۔ اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا اَوۡ تَاۡتِیَ بِاللّٰہِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیۡلًا۔ اَوۡ یَکُوۡنَ لَکَ بَیۡتٌ مِّنۡ زُخۡرُفٍ اَوۡ تَرۡقٰی فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنۡ نُّؤۡمِنَ لِرُقِیِّکَ

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل: 92 تا 94)

آیات مرقومہ بالا سے معلوم ہوتا ہے۔ کفّارِ مکّہ نے ایسے چھ معجزہ حضرت علیہ السلام سے طلب کئے جو اس وقت سر دست منکروں کو دکھائے نہیں گئے۔ مگر غور کرو یہ معجزے کیوں طلب کئے گئے اور کیوں ان کا فوری ظہور نہ ہوا۔

پہلا معجزہ جس کو کفّارِ مکّہ نے طلب کیا ہے کہ اَلْاَرْض یعنی اس خاص مکّہ کی زمین میں چشمے چلیں۔

اور **دوسرا معجزہ** جس کو انہوں نے مانگا یہ ہے کہ تیری کھجوروں اور انگوروں کے ایسے باغ ہوں جن میں نہریں چلتی ہوں۔

یہ دونوں معجزے اس واسطے طلب کئے گئے۔ کہ کتب مقدّسہ بضمن بشارات محمدیہؐ لکھا ہے۔ ''ہاں میں بیابان میں ایک راہ اور صحرا میں ندیاں بناؤں گا۔ اور دشت کے بہائم گیدڑ اور شتر مرغ میری تعظیم کریں گے کہ میں بیابان میں پانی اور صحرا میں ندیاں موجود کروں گا۔ کہ وہ میرے لوگوں کے میرے برگزیدوں کے پینے کیلئے ہوویں۔ مَیں نے ان لوگوں کو اپنے لئے بنایا۔ وہ میری ستائش کریں گے۔''(یسعیاہ 43 باب 19۔ 21 تک)

اور دیکھو کس نے یعقوب کو حوالہ کیا کہ غنیمت ہوویں۔ اور اسرائیل کو کہ لٹیروں کے ہاتھ میں پڑے؟ کیا خداوند نے نہیں۔ جس کے مخالف ہو کے انہوں نے گناہ کیا۔ کیونکہ انہوں نے نہ چاہا کہ اسکی راہوں پر چلیں۔ یسعیاہ 42 باب 24

اور یسعیاہ کے 21 باب میں عرب کی بابت الہامی کلام یوں ہیں۔ پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کے بھاگنے والے کے ملنے کو نکلو یسعیاہ 21 باب 13

اور پھر کہا مزدور کے سے ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی۔ اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے۔

ان آیات سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ بیابان اور صحرا میں چشمے جاری ہوں گے ندیاں چلیں گی۔ مگر اس میں یہ لکھا ہے کہ برگزیدوں کے پینے کیلئے ہوویں۔ (دیکھو یسعیاہ 21 باب 17،16)

بنی اسرائیل کے ایسے باغ عربوں کے ہاتھ ضرور آویں گے جن میں نہریں چلتی ہوں۔ مگر بنی اسرائیل مکّہ میں آباد نہیں۔ وہ زمانہ ہجرت کے بعد ہے۔ جس میں یہ بشارت پوری ہوگئی۔

کفّار اہلِ کتاب کے بہکانے پر دھوکہ دیتے ہیں مگر دیکھو نبوی معجزات اور محمدیہؐ کرامات کیسے زبردست ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کے واسطے اس بیابان اور صحرا میں ندیاں چل گئیں۔ نہ کفّار کیلئے! دیکھو نہرِ زبیدہ مکّہ میں اور

بنی زرقاء کی نہر مدینہ طیّبہ میں برگزیدوں کے پینے کے واسطے موجود ہیں۔

بنو قُرَیظَہ اور بنو نُضَیر کے مکانات برگزیدوں کے قبضے میں آچکے اور کھجوروں اور انگوروں کے ایسے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ حضورؐ کیا۔ حضورؐ کے خادمان کے پاس وہاں موجود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے وعدوں سے (ملک کنعان وغیرہ کی حکومت سے وہ نسل اکثر محروم رہی) اور حضور کے برکات معجزوں سے آپؐ کی اکثر قوم وعدہ کو دیکھ چکی اور انشاء اللہ یقیناً حقیقی کنعان میں بھی پہنچ جائیں گے۔

تیسرا اور چوتھا معجزہ: یہ کہ منکروں پر آسمان ٹوٹ پڑے۔ اور اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی افواج کفّار کو تباہ کردے یہ دونوں معجزہ بھی جن کو کفّار نے طلب کیا۔ کتبِ مقدّسہ میں موجود ہیں۔ دیکھو:

”خدا سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔“ (استثناء 33 باب 2)

یہ پیشگوئی نہایت عمدگی سے اس دن پوری ہوئی۔ جس دن حضور علیہ السلام نے مکّہ معظّمہ کو فتح فرمایا۔

غور کرو بخاری مطبع میرٹھ کا صفحہ 613 اور بخاری مصری کا جلد 2 صفحہ 50 حضور کے ساتھ اس دن دس ہزار ہاں ٹھیک دس ہزار قدوسی صحابی جن کے ساتھ ملائکہ تھے موجود تھا اور اسی دن مکّہ کے کفار پر آسمان ایسا ٹوٹ پڑا کہ وہاں ان کا نام ونشان بھی نہ رہا۔

یاد رہے۔ ”ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے۔“ دیکھو نامہ گلیتیاں 4 باب 25۔ پس معنے ہوں گے۔ ہاجرہ کی پُشت سے۔ اور فاران خود وادیٔ حجاز کو کہتے ہیں اور شعیر میں دو دفعہ حضور بطور تُجّار تشریف لے گئے اور بدر کی لڑائی میں بھی ملائکہ کا لشکر اسلام کا گہرا مددگار تھا۔ دیکھو قرآن سورۃ آل عمران

پانچواں معجزہ کہ تیرا گھر بڑا زینت والا ہے۔ یہ کتبِ مقدّسہ سے لیا گیا۔ ”تیرے پتھروں کو سُرمہ لگاؤں گا اور تیری بنیاد نیلموں سے ڈالوں گا۔ مَیں تیری فصیلوں کو لعلوں سے اور تیرے پھاٹکوں میں چمکتے ہوئے جواہرات اور تیرا سارا احاطہ بیش قیمت پتھروں سے بناؤں گا۔ تیرے سب فرزند بھی خدا سے تعلیم پاویں گے۔“

(یسعیاہ 54 باب 12، 13)

اب اگر یہاں مراد حقیقت ہے تو سرمہ میں وہاں کے پتھروں کا لگنا حاجیوں کے سرمہ سے دیکھ لو وہاں کے کھرلوں میں تیار ہوتا ہے اور ان کا حصہ سرمہ میں گھس کر شامل ہوتا ہے اور اس ایک صداقت سے یقین ہے جیسے مکاشفات یوحنا سے ظاہر ہے دیکھو مکاشفات 21 باب 11 باقی بھی پورا ہوگا۔ جلدی نہ کرو اور اگر عام زینت ہی لیں جیسے قرآن کے لفظ زخرف اور حزقیل کی 16، 23 باب سے ظاہر ہے۔ تو اب دیکھ لو مکہ معظّمہ کس زینت سے سجایا گیا۔

اور اگر ہمارے حضور۔ ہمارے ہادی کا گھر ہی لینا ہے جیسے لفظ بَیۡتُکَ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے تو اب روضہ اطہر واقدس کا نظارہ کرلو

کَیۡفَ الۡوُصُوۡلُ اِلٰی مَدِیۡنَۃِ الۡمُصۡطَفٰی شَتَّانِ بَیۡنَ الۡھِنۡدِ وَالزَّوۡرَاءِ[1]

اَللّٰھُمَّ ارۡزُقۡنِیۡ شَھَادَۃً فِیۡ بَلَدِ رَسُوۡلِکَ۔ اٰمِیۡن

چھٹے معجزہ کا بیان سابق کر چکا ہوں۔ غور کرو۔ کیسے یہ تمام معجزات پورے ہو گئے۔ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ

یادداشت۔ عیسائی صاحبان! اگر کسی امتحان اور معجزہ کا ظہور پذیر ہونا نقص ہے تو جواب دو جب کسی نے حضرت مسیحؑ کو کہا

اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کہہ کہ یہ پتھر روٹی بن جاویں۔ اس نے (مسیحؑ نے) جواب میں کہا۔ لکھا ہے انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے۔ جیتا ہے۔ پھر شیطان اسے (مسیح کو) مقدّس شہر میں اپنے ساتھ لے گیا۔ اور ہیکل کے کنگرے پر کھڑا کر کے اسے کہا۔ اگر تُو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے تئیں نیچے گرادے۔ کیونکہ کہا ہے کہ وہ تیرے لئے اپنے فرشتوں کو فرمائے گا اور وے تجھے ہاتھوں پر اٹھالیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ تیرے پاؤں کو پتھر سے ٹھیس لگے۔ یسوع نے اسے کہا۔ یہ بھی لکھا ہے کہ تُو خداوند اپنے خدا کو مت آزما!۔ (متی 4 باب آیت 3 تا 7)

(حقائق الفرقان جلد 2 صفحہ 544 تا 550)

نیز فرمایا:

"آپؐ کے دلائلِ نبوّت اور علاماتِ رسالت جن کو قرآن کریم نے آیات اور برہان کر کے تعبیر فرمایا ہے قانونِ قدرت میں مشہود اور قرآن میں موجود ہیں۔ اگر ان دلائل کو معجزہ کہیں جس کے معنے ہیں غیر کو عاجز کر دینے والا یا خرقِ عادت کہیں تو بالکل بجا ہے۔

اوّل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت دنیا کی تاریخ پر نظر کرو۔ جس ملک میں آپؐ پیدا ہوئے وہ کیسا تھا۔ عامّہ عرب کسی مذہب کے پابند نہیں کوئی کتاب نہیں رکھتے۔ کوئی پتھروں کی پُوجا کرتا ہے کوئی درختوں کی کوئی سیّاروں کی۔ کوئی بھُوت پریت کی۔ جزاوسزا کے منکر ہیں۔ سیاست وتمدّن کو نہیں جانتے۔ چوری قماربازی۔ باہمی جنگ اور بُغض اور عناد۔ جہالت، فخر اور کبر ان کی صفات ہیں اور شاعریت پر کمال کا مدار رہا ہے۔ عرب کے مشرق میں ایک طرف ہندوستان ہے جس میں توہّمات کی گھٹا ایسی چھائی ہے کہ مرد کی شرمگاہ جسے لِنگ کہتے ہیں اور عورت کی شرمگاہ جسے بھگ کہتے ہیں بے طعن پوجی جاتی ہے۔ منتر فال وغیرہ توہّمات کا سمندر موج مار رہا ہے۔ دوسری طرف ایران ہے

1۔ ترجمہ: مدینہ شہر مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک پہنچنا کیسے ممکن ہے؟ کہاں ہندوستان اور کہاں (محبوب کا) شہر! اے اللہ! مجھے اپنے رسول کے شہر میں شہادت عطا فرما۔ آمین

جس میں آگ کی پرستش، سیّاروں کی معبودیت، نور و ظلمت دو خداؤں کی سلطنت پر اعتقاد ہے شمال و مغرب اور عین وسط میں کچھ عیسائی پوپ کے بندے رومن کیتھولک وغیرہ پروٹسٹنٹ مذہب کے علاوہ (اس مذہب کا بانی لوتھر ہے) مریم اور مسیحؑ کے پجاری اور ان میں پوپ صاحب بہشت بانٹنے والے اور تمام عیسائی خاکسار بندے ابنِ مریم کو خدا ماننے والے جن کے حق میں قرآن فرماتا ہے لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ (آل عمران 65) اور کچھ یہود بَعل اور مولک اور عستارات کے پُجاری۔ اور ایسے سخت بے ایمان جو عرب کے سخت بُت پرستوں کو کہتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا (النساء:52)

دنیا کی ایسی حالت میں ایک بے ساز و سامان، بے فوج و ملک، توحید کا واعظ کھڑا ہو گیا اور دعویٰ کیا کہ مجھے خدا نے بھیجا اور حکم دیا ہے۔ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ اس نے تمام رسوماتِ باطلہ پر یک قلم خط نسخ کھینچنا چاہا۔ تمام رئیس اور امیر غریب اور فقیر اس واعظ کے جانی دشمن ہو گئے۔ سبحان اللہ کیسا مخالف اٹھا۔ اپنی قوم کو جاہل اور ان کے زمانے کو جاہلیت کا زمانہ کہتا ہے۔ قوم کا ایسا مخالف نہیں جیسے ایک شخص مصلحِ قوم کہتا ہے۔ یہ مت سمجھو۔ میں نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے آیا۔ اور ایک کہتا ہے وید ایسے ہیں کہ تمام علوم اور فنون کا مخزن ہیں۔ پھر اپنی اُمیدیں خاک میں لے گیا۔ تمام ملک اور تمام اہلِ شہر مارنے کے درپے ہیں اور یہ کہتا جاتا ہے

یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (الصف:10،9)

سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ یُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر:46)

اور پھر ایسا کامیاب ہوا۔ ایسا کامیاب ہوا کہ اپنے سامنے اس کو یہ سورۃ پہنچ گئی۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَ الْفَتْحُ۔ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ (النّصر:3،2) جس قوم میں اٹھا۔ اس قوم میں ایک بھی نہ رہا جو اس کے آخری ایّام میں مخالف ہوتا؟ اپنے ارادوں میں پورا کامیاب ہو گیا اور کامیابی دیکھ کر اپنی ڈیوٹی کو پورا کر کے رفیقِ اعلیٰ سے جاملا۔

بتایئے یہ معجزہ اب تک نظر میں آتا ہے یا نہیں؟ مگر یہ خرقِ عادت نہیں تو اس کی نظیر دکھایئے؟ اور معجزہ بمعنی عاجز کنندہ نہیں تو اس کے ہم شہر اور ہم قوم دشمنوں کا نام و نشان ڈھونڈیئے؟ عیسائی مذہب کا ربّ اور اُن کا خُدا کیا نظیر ہو سکتا ہے؟ جو بقول عیسائیوں کے قوم سے پِٹا، مارا گیا، اسکی مخالف اس کی قوم اب تک موجود ہے۔ موسیٰؑ کب نظیر ہو سکتا ہے؟ جس نے خود بھی وہ ملک نہ دیکھا جس کی اُمید پر مصر سے قوم کو لے چلا۔

وید کے متّبع کیا دکھائیں گے؟ جن کے مقدّس مکان دوسروں کے قبضوں میں نظر آتے ہیں۔ جن کی الہامی دعائیں، خدا کی بتائیں رچیں، ہمیشہ اُلٹی پڑیں! زرتشتی کیا نظیر دکھائیں گے؟ جن کو اپنے ملک میں سر رکھنے کی جگہ نہیں ملی!

دوسری آیت نبوّت یا دوسرا معجزہ اور خرق عادت جو محسوس اور مشہود ہے۔ آپؐ کی حیات میں آپؐ کا اپنے ملک پر پورا تسلّط اور اپنی قوم پر پوری حکومت جو نہ آپؐ کے پہلے کبھی ایسی کامیابی کسی مدعیٔ نبوّت کو ہوئی اور نہ آپؐ کے بعد۔ حضور علیہ السلام کیسے آزادی بخش اپنی قوم کے ہوئے کہ آپؐ کا شہر آج تک غیروں کی غلامی سے آزاد ہو گیا۔ سلطان ٹرکی جو برائے نام وہاں کے بادشاہ ہیں خادم الحرمین کا لقب رکھتے ہیں۔

اس موقعہ پر وِید کی الہامی دعائیں اور انکی کوششیں جو وید کے مومن ہیں اور عیسائیوں کے مخلص مُنجّی کی جاں فشانی اور موسیٰؑ کے بڑے معجزات اور ابراہیم اور یعقوب کے ساتھ خدائی وعدے کنعان کی ابدی وراثت کی بابت۔ اور پارسیوں کے الہامی ہادیوں کی دعائیں فراموش کرنے کے قابل نہیں۔ قومی آزادی کے قدردان قوم کے مصلحین کے قربان انصاف کریں۔ ہادیٔ عرب کمزوری کی حالت میں کیا کر گئے جَآءَ الۡحَقُّ وَمَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا یُعِیۡدُ (سبا:50) اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا۔ فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰہُ اَخۡذًا وَّبِیۡلًا (المزمل:16،17) اور آرام کا وعدہ۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ (النور:56) پھر اپنے وعدہ کو سچّا کر دکھاتا ہے۔

مدعیٔ نبوّت سے ایسی کامیابی بے نظیر اور خرقِ عادت نہیں تو اور کیا ہے۔

تیسرا معجزہ یا خرق عادت بلکہ آیتِ نبوّت۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ تَنۡزِیۡلًا (الحجر:10)

کس طرح قرآن کی حفاظت ہوئی۔ دنیا میں کوئی مذہب دکھاؤ جس کی کتاب اپنے ہادی کی زبان میں بعینہٖ اس طرح شہرت پذیر ہو۔ تراجم کا اعتبار نہیں۔ تراجم مترجمین کے خیالات ہیں۔ انجیل کی تو ایسی حفاظت ہوئی کہ الامان۔ انجیل کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ آج تک پتہ نہیں لگتا۔ مسیح کی اصلی کتاب عبری تھی یا یونانی۔ پھر ان کا کلام بالکل حواریوں کے کلام سے مخلوط ہے۔ ممتاز نہیں۔ وِید کی حالت شب و روز آنکھ کے سامنے ہے۔ حاجتِ بیان نہیں۔ پھر علی العموم تلاوت سے محروم ہیں اگر دُنیا بنصرتِ الٰہی کسی مذہبی کتاب کی حافظ و ناصر ہے تو قرآن کریم اوّل نمبر پر ہے۔

کتاب اللہ (قرآن) اور سنّت رسول اللہ (حدیث) میں بجائے لفظ معجزہ اور خرقِ عادت کے جو نہایت کمزور اور ناقص تھے۔ آیت اور بُرھان کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ جو دلائل اثباتِ نبوّت اور علامتِ رسالت کے واسطے جامع اور محیط ہونے کے علاوہ ہر زمانے کے موافق اور ہر ایک عقلِ صحیح کے مناسب ہے۔ فطرت اور قانون کے نزدیک صحیح ہے۔ (حقائق الفرقان جلد 2 صفحہ 541 تا 544)

اعتراض:''احادیث میں جسقدر معجزات اور آیات نبوت اور علامات رسالت اور دلائل کمالات نبویہ کا ذکر ہے۔پادری اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث معتبر نہیں۔''

اس اعتراض کے جواب میں حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان فرماتے ہیں:

''احادیث میں جسقدر معجزات اور آیات نبوت اور علامات رسالت اور دلائل کمالات نبویہ کا ذکر ہے۔پادری اور مخالف گروہ اُن پر اتنا ہی اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث معتبر نہیں مگر قومی روایات کے طور پر انکو تسلیم کرنے سے چارہ نہیں رکھتے۔اسلامی مختلف مذاہب میں بطور اشتراک وجود معجزات تواتر سے ثابت ہے اور اگر تواتر حجت نہیں تو عیسٰی بن مریمؑ اور موسیٰ نبی بنی اسرائیل کے نفس وجود سے انکار ممکن ہو گا جو ایک سفسطہ ہے۔

قحط میں آپ نے دعا فرمائی اور معاًمینہ برسا۔

بارہا تھوڑا پانی آپکی دعا سے بہتوں کو کافی ہوا۔

قیصر اور کسریٰ کی نسبت خبر دی کہ پھر قیصر و کسریٰ نہ ہوں گے۔تیرہ سو برس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔قیصر ہند نہ تو مطلق قیصر ہے نہ قیصر ہند ہے۔بلکہ قیصرہ ہند ہے۔

حدیث صحیح میں آیا ہے۔ہمیشہ میری امت میں ایک گروہ رہے گا جو حق پر غالب رہیگا۔کوئی مخالف ان کو ضرر نہ دے سکے گا۔اول تو ایسی پیشینگوئی کوئی صاحب مذہب اپنی مقدس کتاب میں بتائے۔پھر اُس کی تصدیق کر دکھائے۔

مُردوں کو زندہ کرنا آپؐ کا عام کام تھا۔سنو قرآن کہتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡكُمۡ سورہ انفال پارہ 9 رکوع 19 (ترجمہ: ایمان والو مانو حکم اللہ کا اور رسول کا جسوقت بلاوے تم کو ایک کام پر جس میں تمہاری زندگی ہے۔)

مسیحی طرز کے کرشمے آپؐ کے اسقدر ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔اور پھر انجیلی ثبوت سے کہیں زیادہ ثبوت رکھتے ہیں۔کیونکہ ہزاروں اولیائے کرام اور مشائخ عظام گذرے۔جن کے کرامات اور خوارق عادات اُنکے مریدوں نے اپنے چشم دید واقعات کر کے اُن بزرگوں کی زندگی میں لکھے ہیں۔اگر پادری لوگ دو تین مچھوں باجگروں کی تحریر پر بایں خیال کہ انہوں نے چشم دیدہ واقعات کو مسیحؑ کے زمانے میں قلمبند کر لیا تھا۔یقین کرتے ہیں۔اور حدیث پر اس لئے اعتماد نہیں کرتے کہ وہ صحابہ کے زمانے میں قلمبند نہیں ہوئی۔تو اسلامی اولیاء اور صلحاء کے کرامات اُن کے مُریدوں کے ہاتھ سے مشائخ اصحاب کرامت کے وقت کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔پھر ان پر تو انکار کی کوئی وجہ پادری بیان نہیں کر سکیں گے۔ان کرامات کو تسلیم کریں اور چونکہ یہ سب کرامات محمدؐ رسول اللہؐ کے اتباع سے حاصل ہوئے ہیں۔ان میں ان کا وجود بوجہ اتم ماننا پڑیگا۔(اگر انصاف اور خدا کا ڈر ہو)''

(فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب جلد 1 صفحہ 93،94)

اعتراض: ایک پادری کا معجزے کو مرادف کرامت خیال کرکے رسالت مآبؐ کو بے کرامت کہنا۔

حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بیان فرماتے ہیں:

”ایک پادری نے ان دنوں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اور معجزے کو مرادف کرامت خیال کرکے رسالت مآبؐ کو بے کرامت کہا ہے۔ صاحب کرامت کے معنی عزت والے کے ہیں۔ اور محمدؐ صاحب ایسے معزز ہوئے جن کی عزت کی نظیر تمام دنیا میں نہ پاؤ گے۔ کیا کانٹوں کا تاج اُن کو پہنایا گیا۔ کیا انہوں نے طمانچے کھائے۔ کیا ان کو سرکہ پلایا گیا کہ بے کرامت ہوئے۔“

(فصل الخطاب لمقدمۃ اہل الکتاب جلد 1 صفحہ 94)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے ان اقتباسات پر خاکسار اس مضمون کو ختم کرتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بیان فرماتے ہیں:

”جس قدر دنیا میں مفید اور نفع رساں باتیں ہیں۔ قرآن میں بھی ضرور ان کا شمّہ موجود ہوتا ہے۔ ... ہر زمانہ میں جب کسی نے کوئی اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یا قرآن کریم پر کیا ہے۔ وہی بات خود اُس کے اندر بھی پائی گئی ہے۔ بلکہ وہ نمونہ اس سے بھی بڑھ کر یا بدتر معترض کے اندر بھی پایا گیا ہے۔“

(حقائق الفرقان جلد 3 صفحہ 275)

نیز فرمایا:

”اِس میں شک نہیں کہ سُنّت اللہ اِسی طرح پر ہے کہ ماموروں پر اعتراض ہوتے ہیں۔ اچھے بھی کرتے ہیں اور بُرے بھی۔ مگر اچھوں کو رجوع کرنا پڑتا ہے اور بُرے نہیں کرتے۔ مگر مبارک وہی ہیں جو اعتراض سے بچتے ہیں کیونکہ نیکوں کو بھی آخر مامور کے حضور رجوع اور سجدہ کرنا ہی پڑا ہے۔ پس اگر مَلک کی طرح بھی ہو پھر بھی اعتراض سے بچے کیونکہ خدا تو سجدہ کرائے بغیر نہیں چھوڑے گا ورنہ لعنت کا طَوق گلے میں پڑے گا۔“

(حقائق الفرقان جلد 1 صفحہ 398)

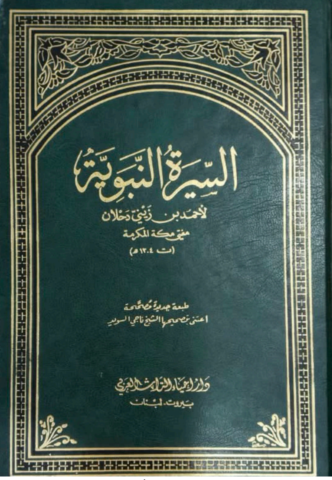

تعارف کتاب:

السيرة النبوية

لاحمد بن زینی دحلان مفتی مکہ المکرمہ

عبداللہ

آپ کا پورا نام شیخ احمد بن زَینی دحلان ہے۔ آپ اپنے دور کے سب سے بڑے اور بااختیار مفتی تھے۔ شیخ صاحب عالم دین، مؤرخ، مصنف اور مفسر مانے جاتے تھے۔ آپ کے حالات زندگی کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے

”دحلان“ کا لفظ کیوں آیا؟

آپ نے دیکھا کہ ان کے پڑدادا کا نام ”دحلان“ تھا۔ عرب میں یہ بہت عام بات ہے کہ کسی مشہور شخص کا نام آگے آنے والی نسلوں کے لیے خاندانی نام (نِسبت / لقب) بن جاتا ہے۔ اسی طرح شیخ احمد کے پڑدادا کی وجہ سے ان کا پورا خاندان مکہ میں ”آل دحلان“ کے نام سے موسوم ہوا، اور یہی نام تاریخ میں مستقل ہو گیا۔

ولادت اور ابتدائی زندگی

شیخ احمد بن زینی دحلان کی ولادت 1233 ہجری (1817ء) کو مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ ان کا خاندان مکہ کے ایک معزز اور علمی خاندان سے تھا۔ ان کے دادا شیخ محمد دحلان بھی اپنے دور کے جلیل القدر علماء میں سے تھے۔

تعلیم اور اساتذہ

انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد اور دادا سے حاصل کی، اس کے بعد مکہ کے نامور علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں شیخ محمد سعید نقشبندی، شیخ عمر حارث اور دیگر جلیل القدر شخصیات شامل تھیں۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد شیخ دحلان نے مکہ مکرمہ میں ہی قیام رکھا اور فقہِ شافعی، حدیث، تفسیر اور عقائد میں گہری مہارت حاصل کی بڑے علماء اور ان کی علمی مجالس سے مزید استفادہ جاری رکھا۔

عقیدہ اور مذہبی رویہ

شیخ احمد دحلان مسلکاً شافعی، عقیدہ سے اشعری اور طریقت سے قادری اور شاذلی سلسلے سے منسلک تھے۔ وہ تصوف کے دفاع میں بھی کھڑے رہے اور اس کو اسلام کے روحانی پہلوؤں کا نام دیتے تھے۔

تدریس اور عہدہ مفتی

تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ احمد نے مسجد الحرام میں تدریس کا کام شروع کیا۔ طلبہ کی ایک بڑی تعداد آپ سے علم حاصل کرنے لگی۔

آپ کا اندازِ تدریس واضح، مدلل اور اثر انگیز تھا۔ آپ نے خاص طور پر فقہ اور سیرت کے مضامین میں شہرت حاصل کی۔ ان کی علمی عظمت اور قابلیت کو دیکھ کر عثمانی سلطنت کے دور میں انہیں شافعی مذہب کے ”مفتی مکہ“ کے عہدے پر فائز کیا گیا۔ یہ عہدہ انھوں نے اپنی وفات تک سنبھالا۔ وہ مسجد الحرام میں ہر روز درس دیتے، لوگ دور دراز سے ان کے درس سننے کے لیے آتے۔

مادر علمی مدرسہ الصولتیہ کا قیام

شیخ احمد دحلان کی زندگی کی ایک بہت بڑی خدمت مدرسہ الصولتیہ کی بنیاد رکھنا ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کا ایک بہت بڑا اور جدید دینی مدرسہ تھا جس کی تعمیر کے لیے انہوں نے اس وقت کے عثمانی سلطان عبد الحمید ثانی سے رابطہ کیا اور مدد حاصل کی۔ اس مدرسے سے ہزاروں علماء فارغ ہوئے جنھوں نے پوری دنیا میں دین کی خدمت کی۔

علمی خدمات اور تصانیف

شیخ دحلان ایک بہت بڑے مورخ اور مصنف بھی تھے۔ آپ کی تحریریں سادہ، مگر مضبوط دلائل پر مبنی ہوتی تھیں، جس سے عوام وخواص دونوں مستفید ہوتے تھے۔ ان کی کئی ایک یادگار کتابیں ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں۔

(1) الفتوحات الاسلامیہ۔ یہ اسلامی تاریخ اور فتوحات پر ایک شاہکار تصنیف ہے جو آج بھی پڑھی جاتی ہے۔

(2) خلاصۃ الکلام فی بیان احوال المسلمین دار البیان الحرام۔ یہ مکہ مکرمہ کی تاریخ پر ایک مشہور کتاب ہے۔

(3) السیرۃ النبویہ۔ آنحضور ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی ایک جامع کتاب۔

(4) الدرر السنیۃ فی الرد علی الوھابیۃ۔ یہ کتاب ان کی علمی جدوجہد کا آئینہ ہے اس میں عقائد اہل سنت کی وضاحت کی گئی ہے (اس کی تفصیل نیچے دی گئی ہے)۔

(5) شفاء الغرام فی اخبار البلد الحرام۔ مکہ مکرمہ کی تاریخ کے بارے میں۔

اصلاحی و دینی خدمات

علمی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے تربیتی امور پر بھی توجہ دی اور مکہ میں پھیلنے والے بعض غلط عقائد اور بدعات کی اصلاح کی۔ اہلِ سنت و جماعت کے عقائد کا دفاع کیا اور عوام کی دینی رہنمائی اور فکری اصلاح میں نمایاں کردار ادا کیا۔

علمی شہرت اور مقام

آپ کی علمی قابلیت اور دیانتداری کی وجہ سے مکہ کے علماء میں آپ کو نمایاں مقام حاصل ہوا۔ دور دور سے لوگ آپ کے فتاویٰ اور علمی رہنمائی کے لیے آنے لگے۔ حکومتی و علمی حلقوں میں آپ کا وقار بڑھتا گیا۔

وہابی تحریک کے خلاف علمی جدوجہد

شیخ احمد دحلان کی زندگی کا ایک اہم پہلو ان کا نجد (موجودہ سعودی عرب کے اندرونی علاقوں) سے آنے والی وہابی تحریک کے خلاف علمی و اعتقادی دفاع تھا۔ جب وہابیوں نے مکہ اور طائف پر قبضہ کیا اور تاریخی مقابر اور آثار (جیسے جنت البقیع میں صحابہ کرام کے مزارات اور مکہ میں مختلف آثار) کو تباہ کرنا شروع کیا، تو شیخ دحلان نے علمی سطح پر ان کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے اپنی کتاب "درر السنیہ" میں اہل سنت کے عقائد کی دفاع اور وہابیوں کے عقائد کارد کیا۔ جیسے تعظیم اولیاء، تبرکات اور مقابر کی تعمیر کو شرک کہنے والوں کا رد کیا۔ شیخ دحلان کی علمی اور دینی خدمات کا دائرہ کار صرف حجاز تک محدود نہیں تھا۔ ان کے شاگردوں نے ان کے افکار کو پوری دنیا، بالخصوص ملائیشیا، انڈونیشیا، ہندوستان، یمن اور مصر تک پہنچایا۔ آج بھی اہل سنت والجماعت کے علماء، ان کی کتابوں بالخصوص ان کی تاریخ اور وہابیوں کے رد میں لکھی گئی کتابوں کو مرجع کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

آپ کی نجی زندگی

اگرچہ آپ کی فیملی کے بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں تاہم دستیاب معلومات کے مطابق ان کی گھریلو زندگی باوقار اور دینی تھی۔ اولاد اور گھرانہ علم و دین سے وابستہ تھا۔ انہوں نے ایک سادہ اور متوازن خاندانی زندگی گزاری۔

وفات

شیخ احمد بن زینی دحلان کا انتقال 21 ذوالحجہ 1304 ہجری (1886ء) کو مکہ مکرمہ میں ہوا۔ انہیں مکہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں دفن کیا گیا۔ ان کی وفات پر مکہ میں غم کا ماحول تھا اور ان کے جنازے میں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔

کتاب ''السیرۃ النبویہ'' کا تعارف

عربی زبان میں آپ کی تالیف ہے۔ جسے دار احیاء التراث العربی بیروت نے 1995 میں شائع کیا۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد کے 507 اور دوسری جلد کے 432 صفحات ہیں۔

اسکے دیباچہ میں شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں نے کتاب الشفاء فی حقوق النبی المصطفیٰ اور اس کی شروح اور المواھب اور دوسری سیرت کی کتب جیسے السیرۃ الشامیہ اور سیرۃ ابن ھشام پڑھیں تو ارادہ کیا کہ اس کا خلاصہ تیار کروں جس سے نبی کریم ﷺ کی صداقت، آپ کے اخلاق و معجزات اختصار کے ساتھ بیان ہوں۔ اس کے بعد سیرت کی کتاب لکھنے کی فضیلت پر بعض سابقین کے اقوال درج کئے ہیں۔ یہ بھی اس کتاب کی تالیف کے باعث بنے۔ اسکے بعد علامہ نے فضائل قریش اور فضائل العرب کے بارے میں روایات کے ساتھ مضمون باندھا ہے۔

شیخ صاحب نے اس کتاب میں سیرت کے تقریباً تمام اہم پہلوؤں کو اختصار سے شامل کیا ہے۔ تاریخی، روحانی اور اخلاقی پہلو ایک ساتھ بیان کیے ہیں۔ تاریخی واقعات کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے جگہ جگہ قرآن کریم کی آیات سے بھی استنباط کیا گیا ہے۔ کتاب کو عمومی طور پر درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ولادت و ابتدائی حالات

نبی کریم ﷺ کی ولادت، نسب، خاندان، بچپن کے واقعات، ایام رضاعت میں خوارق عادت نشانات، والدہ کی وفات، دادا کی وفات اور ابو طالب کے لئے ان کی وصیت وغیرہ۔

بعثت سے پہلے کی زندگی

جوانی، تجارت، اخلاق و کردار۔ لقب الصادق اور الامین وغیرہ

بعثت و دعوت

پہلی وحی، وحی کی اقسام، مکہ میں دعوتِ اسلام کی مشکلات، کفار کی مخالفت اور مظالم، حضرت عمرؓ کا اسلام، واقعہ اسراء و معراج۔

واقعہ اسرا و معراج کے باب میں اسکی تفصیلات کا ذکر ہے لیکن ایک دلچسپ بات شیخ صاحب نے یہ بیان کی جو عموماً اور کسی مورخ سے نہیں ملتی۔ انہوں نے لکھا کہ معراج اور اسراء تین بار یا اس سے زیادہ ہوئے ہیں۔ ''وکان وَاحِدٌ مِّنْهَا بِجَسَدِهٖ وَرُوْحِهٖ وَبَاقِيْهَا فِي الْمَنَامِ '' (جلد اول صفحہ: 234) کہ ان میں سے ایک جسم اور روح کے ساتھ ہوا باقی سب نیند کی حالت میں ہوئے یعنی ایک رؤیا یا کشف تھا۔ دوسرے علماء یا تو اسے جسمانی مانتے ہیں یا روحانی لیکن

یہ دونوں قسموں کو مانتے ہیں۔ یہ اسراء کو جس کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں ہے جسمانی مانتے ہیں۔

ہجرت اور مدنی دور

ہجرتِ مدینہ۔ اسلامی ریاست کا قیام۔ ایک باب میں یہود کے ساتھ معاملات اور انکی مخالفت کا ذکر ہے۔ جس میں ایک یہ روایت بھی درج کی ہے کہ یہود یہ اعتراض کرتے تھے کہ۔

"اَلَا تَرَوْنَ اِلٰی مُحَمَّدٍ یَاْمُرُ اَصْحَابَہٗ بِاَمْرٍ ثُمَّ یَنْھَاھُمْ عَنْہُ وَیَقُوْلُ الْیَوْمَ قَوْلًا وَیَرْجِعُ عَنْہُ" (جلد اول صفحہ 291) کہ تم دیکھتے نہیں کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو ایک بات کا حکم دیتا ہے پھر اس سے روک دیتا ہے۔ ایک دن کوئی بات کرتا ہے اور دوسرے دن اس سے رجوع کر لیتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا (البقرہ:107)

غزوات و سرایا

قریباً 47 سرایا کا اختصار سے ذکر کیا گیا ہے۔ جبکہ 26 غزوات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

وفود کا بیان

قریباً 40 وفود کا بیان اس کتاب میں موجود ہے۔ وفد ابو حنیفہ کا ذکر کرتے ہوئے شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں مسیلمہ کذاب بھی آیا تھا۔ اور نبی کریم ﷺ سے بحث کی تھی اور مطالبے کئے تھے کہ آدھے عرب پر اسکی نبوت ہو گی جب حضورؐ نے یہ نہ مانا تو پھر یہ فرمائش کی کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین میں ہوں گا۔ حضور ﷺ نے یہ بھی رد کر دیا۔ دوسری روایت کے مطابق شیخ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ دو بار مدینے آیا پہلی بار جب یہ نبی کریم ﷺ کے تابع تھا۔ دوسری بار جب اس نے دعوی نبوت کر دیا تھا۔ لیکن اسکے باوجود نبی کریم ﷺ کے سلوک کے بارے فرماتے ہیں "وَعَامَلَہٗ ﷺ مُعَامَلَۃَ الْکِرَامِ تَاَلُّفًا لَہٗ فَاَتَاہُ اِلٰی قَوْمِہٖ وَھُوَ فِیْھِمْ" کہ آپ ﷺ نے اس سے بہت ہی عزت واحترام والا معاملہ کیا تاکہ اسکی تالیف قلب کی جاسکے خود اسکی قوم کے پڑاؤ میں گئے جہاں وہ بھی موجود تھا۔

خطوط کا بیان

آپ نے نبی کریم ﷺ کے 12 خطوط بھی درج کئے ہیں۔

معجزات النبی ﷺ کا بیان

کتاب کے آخر میں نبی کریم ﷺ کے معجزات اور آپ کی اطاعت اور آپ سے محبت کرنے کے ابواب باندھے

ہیں۔ معجزات میں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر تقریباً20 صفحات پر تفصیلی مضمون لکھا ہے جس میں بعض آیات کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے جو فصاحت و بلاغت میں بے مثل ہیں۔ اسی طرح شق قمر۔ درخت کا چلے آنا۔ پتھروں اور درختوں کا سجدہ کرنا۔ کنکریوں کا نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا۔ جبرائیل کا نبی کریم ﷺ کو انار اور انگور پیش کرنا جب آپ بیمار تھے۔ پھر کھانے کی تسبیح کرنا۔ درخت کے تنے کا رونا۔ اونٹ کا سجدہ کرنا اور مالک کے خلاف شکایت کرنا۔ بکریوں کا سجدہ کرنا۔ بھیڑیے کی گواہی دینا۔ یعفور گدھے کی نبی کریم ﷺ کی خدمت کرنا آپ جس صحابی کو بلانا چاہتے یعفور کو کہتے وہ جا کر اسکے دروازے کو کھٹکھٹاتا اور اشارے سے نبی کریم ﷺ کی طرف چلنے کو کہتا۔ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو غم کے مارا گدھا ابو ھیثم کے کنویں پر آیا اور اپنے آپ کو اس میں گرا دیا یوں اسکی موت ہوئی۔ اسی طرح بھنی ہوئی گوہ کی گواہی دینا۔ ہرن کی گواہی دینا۔ پالتو بکری کی گواہی اور تعظیم۔ اس طرح کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ بہت سے واقعات قاضی عیاض کی کتاب الشفاء اور بیہقی اور مواہب اللدینہ جیسی کتب وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ معجزات میں بہت سی اخبار غیبیہ یعنی پیشگوئیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

انہی معجزات میں بعض عجیب باتیں بھی درج کی گئی ہیں جیسے آپ ﷺ کی بصارت کے بارے میں کئی روایات کے حوالے سے لکھا کہ ”کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَرٰی بِاللَّیْلِ فِی الظُّلْمَۃِ کَمَا یَرٰی بِالنَّھَارِ فِی الضَّوْءِ“ (جلد دوئم صفحہ 317) اور ایسی روایات کی تائید میں قرآن کریم کی آیت مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ (النجم:17) پیش کی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ جیسے اپنے سامنے سے دیکھتے تھے ویسے ہی اپنے پیچھے سے بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ ظاہری نظروں کی قوت کے بارے یہ روایت بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے ثریا میں 12 ستارے دیکھ کر گن لئے تھے۔ جبکہ عام آدمی 6 یا7 ستارے گن سکتا ہے۔

آگ کے ٹھنڈا ہونے کا معجزہ

شیخ صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیئے گئے معجزہ کہ آگ انکے لئے ٹھنڈی ہو گئی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ معجزہ نبی کریم ﷺ کو ہی نہیں دیا گیا بلکہ آپ کے صحابہ اور امت کو بھی دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کے لئے اللہ نے جنگوں کی آگ کو بجھا دیا۔ امام نسائی سے روایت ہے کہ محمد بن حاطبؓ کہتے ہیں میں چھوٹا بچہ تھا کہ ہنڈیا مجھ پر الٹ گئی اور میرا جسم جل گیا۔ میری والدہ مجھے لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس گئی۔ آپ نے لعاب دہن میری جلی ہوئی جلد پر لگایا اور ہاتھ سے مسح کیا اور یہ دعا پڑھی کہ اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ۔ کہ اے اللہ اس بیماری کو دور کر دے۔ تو میری ساری تکلیف جاتی رہی۔ (جلد دوئم صفحہ 393)

حضرت عمار بن یاسرؓ کو مشرکین سخت اذیتیں پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے آگ سے انکو جلانا چاہا۔

نبی کریم ﷺ وہاں سے بار بار گزرے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر آپ نے نہایت درد سے دعا کی کہ یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی عَمَّارٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ ۔ کے اے آگ جیسے تو ابراہیم کے لئے ٹھنڈی اور سلامت کا موجب بنی تھی عمار کے لئے بھی بن جا۔ چنانچہ آگ انہیں جلا نہ سکی۔

عباد بن عبد الصمد کہتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالک کے پاس آئے۔ انہوں نے بچی سے کہا کہ کھانا لاؤ۔ کھانا لایا گیا پھر اس نے کہا کہ رومال لاؤ۔ رومال لایا گیا جو سیاہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے کہا اسے جلتے تنور میں جھونک دو۔ رومال آگ میں جھونک دیا گیا جب نکالا گیا تو وہ دودھ کی طرح سفید تھا۔ فرمایا یہ وہ رومال ہے جس سے نبی کریم ﷺ نے اپنا مبارک منہ پونچھا تھا۔ ہر وہ چیز جس کو کسی نبی کے چہرہ نے چھوا ہو اس پر آگ حرام کر دی جاتی ہے۔ جب یہ رومال استعمال سے گندا ہو جاتا ہے تو ہم اس سے ایسا ہی کرتے ہیں۔

اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا اور صنعاء پر غالب آگیا تو اس نے ذؤیب بن کلیب کو پکڑا اور آگ میں ڈال دیا۔ تاکہ دیکھے کہ نبی کریم ﷺ کی صداقت کا کوئی معجزہ ظاہر ہوتا ہے یا نہیں۔ تو دیکھا کہ آگ نے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو مدینہ میں بتایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اللہ کی سب تعریف ہے جس نے اس امت میں بھی ابراہیم کے مثیل پیدا کر دیئے۔

اسی طرح اسود عنسی سے ہی ایک اور واقعہ ملتا ہے اس نے ابو مسلم خولانی کو بلایا اور کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے نہیں سنا۔ اس نے پھر کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ تب آگ جلائی گئی اور انکو آگ میں پھینکا گیا۔ مگر آگ نے انہیں نقصان نہ پہنچایا۔ اس پر اسود سے کہا گیا کہ اس شخص کو یہاں سے نکال دو ورنہ تیری متبعین میں یہ فساد ڈالے گا۔ چنانچہ اس نے انہیں نکل جانے کا حکم دیا۔ وہ مدینہ آئے اس وقت نبی کریم ﷺ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت ابو بکرؓ خلیفہ بن چکے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ماجرہ سن کر فرمایا۔ سب تعریف اللہ کی ہے جس نے امت میں بھی ایسے وجود پیدا کر دیئے جن سے ویسا ہی ہوا جیسے ابراہیم علیہ السلام سے ہوا۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح انہیں بھی اللہ کی محبت کا ایک خاص مقام حاصل ہوا۔ (جلد دوئم صفحہ 394)

شیخ زینی نبی کریم ﷺ کے معجزہ انشقاق قمر کا بھی تفصیلاً ذکر کرتے ہیں اور یہ تبصرہ فرماتے ہیں کہ فاعطی نبینا ﷺ انشقاق القمر فهو نظیر انفلاق البحر بل اعظم۔ (جلد دوئم صفحہ 395) کہ یہ نشان موسیٰ کے سمندر پھاڑنے کے نشان جیسا ہے بلکہ اس سے زیادہ عظمت والا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے شمائل

آپ کے حلیہ کے بارے بھی الگ الگ عضو مبارک کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ کے بول و براز کے بارے میں یہ روایت بھی درج کر دی ہے کہ جب آپ فارغ ہوتے تو زمین پھٹ جاتی اور اسے نگل لیتی۔ (جلد دوئم 339:) جبکہ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی درج ہے کہ آپ نے ایک پیالے میں پیشاب کیا اور کمرے کے ایک طرف رکھ دیا۔ صبح حضرت ام ایمن تشریف لائیں تو آپ نے فرمایا کہ اس پیالے کو باہر لے جا کر انڈیل دو۔ اس نے کہا کہ مجھے تو اس سے خوشبو آ رہی تھی اس لئے میں نے پی لیا۔ اگر زمین پھٹ کر بول و براز غائب ہو جاتا تھا تو پھر اسے پیالے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ پس روایات کے بیان میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔

شیخ صاحب پر تنقید

بعض علماء نے یہ تنقید کی ہے کہ اخذ رویات میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا بلکہ کمزور ضعیف اور بعض من گھڑت روایات کو بھی لے کر کتاب کی صحت کو کمزور کر دیا ہے۔

آپ ﷺ کے اوصاف کریمانہ

شیخ صاحب نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف کریمانہ بھی بیان کئے اور آپ پر دشمنوں کے ظلموں کا ذکر کرتے ہوئے آپ کے عالی صبر کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ فالصبر علی الاذی ھوا الجھاد النفس الا کبر (جلد دوئم صفحہ 345) کہ تکالیف پر صبر کرنا ہی جہاد اکبر ہے۔

مخالفوں سے حسن سلوک

اسی مضمون میں شیخ صاحب نے رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول کی وفات اور نبی کریم ﷺ کا اپنا لباس اتار کر اسے کفنانے کے لئے دینا اور صحابہ کے منع کرنے کے باجود بڑی بشاشت کے ساتھ اسکی نماز جنازہ پڑھانے کا ذکر کیا۔ اسکے ساتھ وہ ایک روایت درج کرتے ہیں کہ۔ روی ان الفا من الخزرج اسلموا لما راوہ یستشفع بثوبہ ویتوقع اندفاع العذاب عنہ۔ (جلد دوئم صفحہ 348) روایت میں آتا ہے کہ قبیلہ خزرج کے ایک ہزار لوگ اس وقت مسلمان ہو گئے جب انہوں نے آپ (ﷺ) کو اپنے لباسِ مبارک کو وسیلہ بنا کر (عبد اللہ بن اَبی بن سلول) کے لئے عذاب یا مصیبت کے ٹل جانے کی دعا کرتے ہوئے دیکھا۔

عاجزی انکساری

نبی کریم ﷺ کی عاجزی انکساری اور اپنے خدام کے ساتھ مل کر کام کرنے کا ایک واقعہ درج فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ بکرے کو ذبح کر کے کھانے کا انتظام کریں۔ ایک صحابی نے کہا میں ذبح کروں گا اور گوشت بناؤں گا ایک نے کہا کہ میں کھانا تیار کروں گا اس طرح ہر کوئی اپنے ذمہ کوئی نہ کوئی کام لے رہا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں لکڑیاں اکٹھی کر کے لاؤں گا۔ صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ہم آپ کے لئے کافی ہیں۔ آپ کو تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں تو آپ نے فرمایا۔ قد علمت انکم تکفونی ولکن اکرہ ان اتمیز علیکم فان اللہ یکرہ من عبدہ ان یراہ متمیزا بین اصحابہ (جلد دوئم صفحہ 353) میں جانتا ہوں کہ تم میرے لئے کافی ہو جاؤ گے لیکن میں ناپسند کرتا ہوں کہ میں تم میں ممتاز نظر آؤں کیونکہ اللہ ناپسند کرتا ہے کہ وہ اپنے بندوں میں کسی کو ممتاز دیکھے۔

جب نجاشی کا وفد آیا تو آپ خود انکے استقبال کے لئے گئے اور انکی خدمت کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم اس کام کے لئے کافی ہیں تو فرمایا۔ انھم کانوا لاصحابنا مکرمین و انا احب ان اکافئھم (جلد دوئم صفحہ 353) انہوں نے ہمارے ساتھیوں کی عزت افزائی کی اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ اسکا بدلہ انکی خدمت کر کے چکاؤں۔

صلہ رحمی

اپنے رضاعی والدین کی خدمت کا بھی آپ ﷺ نے حق ادا کیا۔ شیخ صاحب نے ایک روایت درج کی ہے کہ آپ کے رضاعی والد آئے تو آپ نے انکے لئے چادر بچھائی اور اس پر انکو بٹھایا پھر آپ کی رضاعی والدہ آئیں تو آپ نے اپنی چادر کا ایک حصہ پھاڑ کر انکے لئے بچھایا اور انکو اپنی دوسری طرف بٹھایا پھر آپ کا رضاعی بھائی آیا تو آپ نے کھڑے ہو کر اسکا استقبال کیا اور اپنے سامنے بٹھایا۔ (جلد دوئم صفحہ 353)

مزاح اور حسن معاشرت

آپ ﷺ کے مزاح اور حسن معاشرت میں شیخ صاحب یہ دلچسپ واقعہ بھی لکھتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم ﷺ کے لئے خزیرہ نامی کھانا تیار کر کے لائی۔ حضرت سودہؓ بھی نبی کریم ﷺ کے ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں میں نے انہیں بھی کہا کہ کھائیں۔ انہوں نے نہیں کھایا۔ میں نے پھر کہا کہ تناول فرمائیں انہوں نے پھر بات نہیں مانی تو میں نے کہا یا آپ کھائیں یا میں اسے آپ کے منہ پر مل دوں گی۔ انہوں نے نہ کھایا تو

حضرت عائشہؓ نے ہاتھ کھانے میں ڈالا اور حضرت سودہؓ کے چہرے پر پھیر دیا۔ یہ دیکھ کر نبی کریم ﷺ مسکرا دیئے اور آپ نے حضرت عائشہؓ کا سر پکڑ کر اپنی ران پر رکھا اور حضرت سودہؓ سے فرمایا کہ اب تم بدلے میں اسکے منہ پر لگا دو تو حضرت سودہ نے اسی طرح حضرت عائشہؓ کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا۔ اس پر آپؐ مزید مسکرا دئے۔ یوں گھروں میں ہنسی مزاح بھی جاری رہتا تھا۔ (جلد دوئم صفحہ 357)

شجاعت کے حیرت انگیز واقعات

نبی کریم ﷺ کی شجاعت کے کئی واقعات لکھے ہیں ان میں سے ایک رکانہ کے بارے بھی ہے۔ رکانہ بہت بڑا پہلوان تھا اور کوئی اسے پچھاڑ نہ سکتا تھا ایک دفعہ مکہ کی کسی گھاٹی میں نبی کریم ﷺ اسے ملے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اس نے کہا آپ کی صداقت کی کیا دلیل ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں پچھاڑ دوں تو کیا مان جاؤ گے اس نے کہا ہاں ضرور۔ آپ نے فرمایا کہ پھر تیار ہو جاؤ۔ اس نے کہا میں تیار ہوں۔ چنانچہ مقابلہ ہوا اور آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ اس پر وہ بہت متعجب ہوا اور کہا کہ آپ کا معاملہ بہت عجیب ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے خود یہ پیشکش کی کہ اگر آپ سچے ہیں تو مجھے پچھاڑ کر دکھائیں جب آپ نے پچھاڑ لیا تو اس نے کہا۔ اشھد انك ساحر ثم اسلم بعد (جلد دوئم صفحہ :366) اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جادو گر ہیں۔ پھر آپ پر ایمان لے آیا۔ آپ ﷺ نے اسکی تالیف قلب کے لئے 50 وسق کھانا دیا۔ یہ خلافت عثمان یا معاویہ کے دور میں فوت ہوا۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کے بیٹے یزید بن رکانہ کے ساتھ بھی آپ ﷺ کا کشتی کا مقابلہ ہوا۔ وہ تین سو بکریوں کے ساتھ آیا اور کہا۔ اے محمد کیا مجھ سے پچھاڑنے کا مقابلہ کرو گے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اگر میں نے تجھے پچھاڑ دیا تو کیا کرو گے۔ اس نے کہا میں سو بکریاں آپ کو دے دوں گا۔ چنانچہ مقابلہ ہوا آپ نے اسے پچھاڑ دیا۔ اس نے پھر کہا کہ کیا دوبارہ مقابلہ کرو گے۔ دوبارہ مقابلہ ہوا اور اس نے ایک سو بکریاں اور دے دیں اس طرح تین بار مقابلہ ہو اتینوں بار آپ جیت گئے اور تین سو بکریاں آپ کو مل گئیں۔ اس نے کہا۔ یا محمد ما وضع جنبی فی الارض احد قبلك و ما كان احد ابغض الی منك و انا اشهد ان لا اله الا الله و انك رسول الله۔ (جلد دوئم صفحہ 366) یعنی اے محمد! آپؐ سے پہلے کسی نے میرا پہلو زمین پر نہیں لگایا اور میرے نزدیک آپ سے بڑھ کر کوئی اور ناپسندیدہ نہیں تھا۔ اور اب میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

آپ ﷺ نے اسکی بکریاں اسے واپس کر دیں۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کئی لوگوں نے مقابلہ کیا ان میں ابو الاسود الجمعی سے بھی مقابلہ ہوا۔ بیہقی نے ایک روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بہت بہادر تھے۔ بعض دفعہ آپ

گائے کی کھال پر کھڑے ہو جاتے اور صحابہ سے یہ مقابلہ ہوتا کہ آپ کے پاؤں کے نیچے سے کھال نکال دیں۔ دس دس آدمی کھال کو کھینچتے۔ کھال پھٹ جاتی مگر آپ کے پاؤں میں جنبش نہ آتی۔ ایسے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔

اسی طرح آپ ﷺ کے زہد اور سادگی کے بھی واقعات لکھے ہیں الغرض آپ کے شمائل حسنہ کے چیدہ چیدہ واقعات مختلف کتب سے نکال کر قارئین کے لئے پیش کئے ہیں۔

مختلف مذاہب میں آپ کے بارے میں پیشگوئیاں

شیخ صاحب نے نبی کریم ﷺ کی صداقت ثابت کرتے ہوئے مختلف الہامی کتب جیسے تورات ۔ زبور۔ انجیل اور مختلف سابقہ انبیاء کی پیشگوئیاں درج کی ہیں جو نبی کریم ﷺ پر پوری ہوئیں۔ مثلاً کعب الاحبار نے تورات کی پیشگوئی بیان کی جو نبی کریم ﷺ پر صادق آتی ہے۔ وھب بن منبہ نے زبور کی پیشگوئی بیان کی۔ جارود بن علاء جو پادری تھے انہوں نے انجیل کی پیشگوئی بیان کی اور آپ ﷺ کی تصدیق کی۔

ابن ھیبان جو یہودی عالم تھا کا قصہ درج ہے کہ وہ شام کا حَبَر (عالم) تھا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات سے دو سال قبل مدینہ آیا اور انکے درمیان رہا۔ مدینہ کے یہودیوں نے اسکی خدمت کی۔ اسکی وفات کا وقت جب آیا تو اس نے یہود سے کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے ایک عمدہ زمین سے بیماری والی زمین کی طرف کیوں ہجرت کی۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہی بتائیں۔ میں اس لئے نکلا کہ مجھے توقع تھی کہ وہ نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کا زمانہ آگیا ہے اور وہ یہاں ہجرت کر کے آئے گا۔ پس اسکی پیروی کرنا۔ اور اس پر ایمان لانے میں تم سے کوئی سبقت نہ لے جاسکے۔ یاد رکھو وہ خون بہانے کے ساتھ مبعوث ہو گا۔ وہ اپنے دشمنوں کی اولاد کو قیدی بنائے گا۔ (یعنی اسے جنگیں کرنی پڑیں گیں) پھر وہ فوت ہو گیا۔ وہاں تین نوجوان بھی یہ باتیں سن رہے تھے۔ جب خیبر فتح ہوا اور یہود قلع بند ہو گئے تو ان تینوں نے کہا اے یہود کی جماعت ابن ھیبان نے جو باتیں تم سے کی تھیں کیا تمہیں یاد نہیں۔ یہود نے کہا تو کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے ہی بتا رہا تھا۔ انہوں نے کہا۔ ہاں آپ کے بارے ہی خبر دی تھی۔ چنانچہ یہود قلعے سے اترے اور اپنے اموال اور اہل و عیال نبی کریم ﷺ کے سپرد کر دیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا۔ (جلد دوئم صفحہ 382)

صحابہ کا بے مثال عشق رسول

کتاب کے آخر میں وفات النبی ﷺ کے باب سے پہلے شیخ صاحب نے نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور محبت کا باب باندھا ہے جس میں متعدد آیات اور واقعات سے خوبصورت مضمون بیان کیا ہے۔ صحابہ کے نبی کریم ﷺ

سے محبت کے حیرت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔ جنگ احد کے بعد جب مدینہ کو افواہوں نے گھیر لیا تو ایک انصاری عورت بے تابی سے احد کی طرف نکلی اسے بتایا گیا کہ تمہارا خاوند شہید ہو گیا ہے اس نے کہا مجھے بتاؤ محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟ اسے کہا گیا کہ تمہارا باپ بھی شہید ہو گیا تمہارا بھائی بھی شہید ہو گیا تمہارا بیٹا بھی شہدی ہو گیا۔ مگر ہر بار وہ یہی کہتی کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ تب اسے بتایا گیا کہ آپؐ خیریت سے ہیں اور سامنے تشریف لا رہے ہیں تو وہ بھاگی ہوئی اس طرف گئی اور رسول اللہ ﷺ کا دامن تھام کر کہا۔ بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ یَا رَسُوْلَ اللہِ لَا اُبَالِیْ اِذَا اَسْلَمْتَ مِنْ عَطَبٍ (جلد دوئم صفحہ 403) کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ۔ جب آپ آفت سے محفوظ ہیں تو مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں۔

جب حضرت زید بن دثنہؓ کو مکہ والے شہید کرنے کے لئے لے کر گئے تو ابو سفیان نے کہا۔ اے زید کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تو آرام سے اپنے گھر ہوتا اور تیری جگہ محمد (ﷺ) یہاں ہوتے۔ تو انہوں نے کیا ہی عاشقانہ جواب دیا کہ تم یہ کہتے ہو خدا کی قسم میں تو اس بات کو بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان کے بدلے میرے آقا کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ اس پر ابو سفیان نے کہا کہ میں نے صحابہ سے بڑھ کر نبی کریم سے محبت کرنے والا اور کسی کو نہیں دیکھا۔

مواہب اللدنیہ کی ایک روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زید انصاریؓ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے انکا بیٹا آیا اور خبر دی کہ نبی کریم ﷺ وفات پا گئے ہیں۔ تو انہوں نے دعا کی۔ اللھم اذھب بصری حتی لا اری بعد حبیبی محمد احدا۔ (جلد دوئم صفحہ 403) کہ اے اللہ میری بصارت لے جا۔ میرے محبوب محمد ﷺ کے بعد اب میں کسی کو نہ دیکھ سکوں۔ تو ان کی بینائی جاتی رہی۔

محبت رسول کی علامات

امام صاحب نے رسول اللہ سے محبت کی علامات پر بھی تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً

(1) **سچی محبت** کا سب سے بڑا یہ تقاضا ہے کہ **آپ کی پیروی کی جائے** آپ کی سنت پر چلا جائے۔ کیونکہ سچا عاشق اپنے معشوق کی اداؤں کو بھی اپنا لیتا ہے۔ امام ترمذی کی ایک روایت درج کی کہ من احیا سنتی فقد احبنی (جلد دوئم صفحہ 408) جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی۔ قرآن کریم کی آیات اور کئی احادیث سے یہ مضمون کھول کر بیان کیا ہے۔

(2) سچی محبت کی ایک یہ علامت بھی ہے کہ **آپ کے دین کی نصرت کرے**۔ آپ ﷺ کے مشن کی تکمیل کے لئے جدو جہد کرے۔

(3) **اس راہ میں پیش آمدہ مصیبتوں اور ابتلاؤں سے مت گھبرائے** بلکہ سچے عاشق کو تو یہ تکلیفیں محسوس بھی نہ ہوں گی۔ بلکہ ایک قسم کی لذت کا باعث ہوں گی۔

(4) ایک محبت کی علامت یہ ہے کہ **محبوب کا کثرت سے ذکر کیا جائے۔**

(5) ایک محبت کی علامت یہ ہے کہ **جب اس کے محبوب کا اس کے سامنے ذکر ہو تو اس پر وجدان کی کیفیت طاری ہو جائے۔** یہ سچے عشق کی علامت ہے۔ کئی صحابہ کے حالات درج کئے ہیں جو نبی کریم ﷺ کا ذکر کر کے رو پڑتے یا جب انکے سامنے ذکر کیا جاتا تو آپ ﷺ کی جدائی کے خیال سے انکے رنگ زرد پڑ جاتے۔

(6) محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ **محبوب کی ملاقات کثرت سے کی جائے اور یہ شوق بڑھتا ہی چلا جائے۔** صحابہ کثرت سے نبی کریم ﷺ کی مجالس میں آتے آپ کی زیارت کرتے۔ خالد بن معدان جب بھی اپنے بستر پر جاتے تو نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحاب کا ذکر کرتے۔ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک عورت تھی جو اپنے نفس پر زیادتی کرتی تھی۔ جب وہ فوت ہو گئی تو کسی نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا تم سے کیا معاملہ ہوا تو اس نے کہا میرے رب نے مجھے بخش دیا۔ کہا گیا کس وجہ سے۔ اس نے جواب دیا۔ بحبی لرسول اللہ ﷺ و شھوتی النظر الیہ (جلد دوئم صفحہ 411) میری رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے اور آپ کو دیکھنے کے اشتیاق کی وجہ سے۔ تو مجھے پکارا گیا کہ جس کو ہمارے حبیب ﷺ کو دیکھنے کا اشتیاق تھا ہم شرماتے ہیں کہ اسے ذلیل کریں سزا دے کر۔ ہم اسے اس کے محبوب کے ساتھ جنت میں جمع کریں گے۔

(7) محبت کی ایک علامت **قرآن کریم سے محبت جس کو لے کر نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔** جسے نبی کریم ﷺ سے سچی محبت ہو گی اسے قرآن سے بھی سچی محبت ہو گی۔

(8) محبت کی ایک علامت **نبی کریم ﷺ کی سنت اور احادیث سے بھی سچی محبت ہے۔**

(9) محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ **جب اسکے سامنے اسکے محبوب کا تذکرہ ہو تو اسے لذت ملے۔** سرور حاصل ہو۔

(10) محبت کی ایک علامت **رسول اللہ کے اہل بیت سے محبت ہے۔** کئی آیات و احادیث سے استنباط کیا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے ایک بار فرمایا۔ اے لوگو نبی کریم ﷺ کا انکے اہل بیت میں خیال رکھو یعنی اہل بیت سے محبت کر کے نبی کریم ﷺ کی محبت کا ثبوت دو۔ نیز فرمایا۔ لقرابۃ رسول اللہ ﷺ احب الی ان اصل من قرابتی۔ (جلد دوئم صفحہ 414) کہ نبی کریم ﷺ کے عزیز و اقارب سے حسن سلوک کرنا مجھے اپنے عزیز و اقارب سے صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

آخری باب وصال مبارک صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب کا آخری باب نبی کریم ﷺ کی وفات کے حالات کے بارے میں ہے جس میں سے چند چیدہ چیدہ نکات درج کئے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کو مرض الموت کا حملہ ماہ صفر میں ہوا۔ مرض الموت کے ایام کل 13 دن تھے۔ ہفتہ یا سوموار یا منگل کو بیماری شروع ہوئی۔ اس وقت آپ حضرت میمونہؓ کے گھر تھے۔ یا حضرت زینبؓ کے گھر تھے۔ جب مرض الموت نے شدت اختیار کی تو آپ نے ازواج سے اجازت طلب کی کہ آپ کی بیمار پرسی حضرت عائشہؓ کے گھر ہو۔ چنانچہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آپ حضرت عائشہؓ کے گھر پہنچے۔ جہاں وفات تک قیام فرمایا۔

جب بیماری بڑھ گئی تو آپ ﷺ نے اپنی جگہ حضرت ابوبکرؓ کو امام مقرر فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس مرض میں کل 17 نمازیں پڑھائیں۔ اس دوران جب بیماری بڑھ گئی تو انصار بار بار مسجد آتے آپ کی انتظار میں بیٹھتے اور مغموم ہو کر واپس جاتے۔ انکی یہ حالت دیکھ کر حضرت عباسؓ نے نبی کریم ﷺ کو آگاہ فرمایا تو ایک روز آپ ﷺ سر باندھے ہوئے حضرت علیؓ اور فضل کے کندھوں پر سہارا لئے ہوئے مسجد تشریف لائے۔ حضرت عباسؓ آپ کے سامنے چل رہے تھے اور رستہ بنا رہے تھے۔ صحابہ آپ کے گرد اٹھ آئے۔ آپ نے انکے سامنے یہ آخری خطاب فرمایا اور انکو نصائح فرمائیں۔ اپنے بعد انصار سے نیک سلوک کرنے کی نصیحت فرمائی۔ اور فرمایا کہ اے لوگو مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم اپنے نبی کی موت سے ڈرتے ہو۔ ھل خلف نبی قبلی فیمن بعث الیہ فاخلد فیکم ؟ (جلد دوئم صفحہ 420) کیا مجھ سے پہلے کوئی بھی نبی گذرا ہے جس نے غیر معمولی لمبی زندگی پائی ہو۔ سنو میں بھی اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی ملنے والے ہو۔ پھر آپ نے سورہ عصر کی تلاوت فرمائی۔ اسکے علاوہ بھی بہت سی نصائح فرمائیں۔

ایک روایت کے مطابق ایک ماہ پہلے نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات کی اطلاع دے دی تھی۔ نبی کریم ﷺ کا صحابہ کو اور صحابہ کا نبی کریم کے آخری دیدار کا احوال بھی ملتا ہے۔ سوموار والے دن لوگ فجر کی نماز میں تھے کہ حضرت عائشہؓ کے ہجرہ کی کھڑکی کا پردہ ہٹا اور نبی کریم ﷺ کا چہرہ صحابہ کو دکھائی دیا۔ صحابہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نور سے دمک رہا تھا۔ گویا قرآن کریم کا ایک نورانی صفحہ ہو۔ حضور ﷺ بہت خوش تھے جب صحابہ کو ایک خدا کی عبادت کرتے دیکھا۔ حضرت ابوبکرؓ یہ منظر دیکھ کر سمجھے کہ آپ باہر تشریف لانے لگے ہیں اس لئے وہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ ﷺ نے اشارہ کیا کہ آگے ہی رہو اور نماز پڑھاتے رہو۔ اس پر پردہ گرا دیا۔ اسکے بعد صحابہ آپ ﷺ کو نہ دیکھ سکے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ میرے گھر تھے۔ وہ میری باری کا دن تھا۔

آپ نے میرے سینے سے سہارا لیے ہوئے تھا۔ آپ کے آخری الفاظ یہ تھے ۔ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی ۔ کہ اللہ جو میرا سب سے اعلی دوست ہے ۔ (جلد دوئم صفحہ 424)

صحابہ کو جب علم ہوا تو وہ آپ کی وفات کی خبر کو ماننے پر تیار نہ تھے ۔ حضرت عمرؓ نے تو تلوار نکال لی کہ جس نے کہا آپ وفات پا گئے ہیں میں اسکا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ جو اس وقت سنخ مقام پر گئے ہوئے تھے واپس آئے اور نبی کریم ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔ پھر باہر آکر آپ کی وفات کا اعلان کیا اور آیت وما محمد الا رسول کی تلاوت فرمائی ۔ اس پر صحابہ کو یقین ہو گیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں ۔ اور مدینہ میں غم کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جو اس دن سے پہلے کسی نے نہ دیکھی تھی۔

متعدد روایات میں امام زینی نے یہ روایت بھی درج کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور فرمایا کہ یقیناً رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ (الزمر :30) اور یہ آیت نہیں سنی۔ وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ (الانبیاء:34) کہ تو بھی مرنے والا ہے اور یہ سب بھی اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کو غیر معمولی لمبی عمر نہیں عطا کی۔ اسکے بعد ممبر پر جا کر اعلان کیا۔ (جلد دوئم صفحہ 425)

آپ ﷺ کی وفات سورج کے ڈھلنے کے وقت ہوئی یہ وہی وقت تھا جس میں آپ مدینہ تشریف لائے تھے۔ آپ کی وفات سوموار کے روز ہوئی اس میں کوئی اختلاف نہیں آپ کی تدفین منگل کو یا بدھ کو ہوئی۔

آپ ﷺ کو حضرت علیؓ نے غسل دیا۔ حضرت عباسؓ اور انکے بیٹے فضل آپ کے جسم کو ادھر ادھر کرنے میں حضرت علیؓ کی مدد کر رہے تھے ۔ عباس کے بیٹے قثم اور اسامہ بن زیدؓ اور شقران جو نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے پانی ڈال رہے تھے ۔ آپ کو تین سفید چادروں میں کفنایا گیا۔ جنازہ جب تیار ہو گیا تو آپ کی چارپائی حضرت عائشہؓ کے ہجرہ میں اسی جگہ رکھی گئی جہاں آپ کی وفات ہوئی تھی۔ اور لوگ جوق در جوق چھوٹی جماعتوں کی شکل میں اندر آتے اور نماز جنازہ ادا کرتے۔ نماز جنازہ کی امامت نہیں کروائی گئی۔ تدفین کے وقت حضرت ابو طلحہؓ نے اسی جگہ قبر کھودی جس جگہ نبی کریم ﷺ کی چارپائی رکھی ہوئی تھی ۔ یہ لحد تھی۔ لحد میں اتارنے والوں کے بارے اختلاف ہے صحیح روایات کے مطابق آپ ﷺ کی قبر مبارک میں حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، فضل اور قثم جو عباسؓ کے بیٹے تھے داخل ہوئے اور جسد اطہر کو لحد میں اتارا۔ سب سے آخر میں قثم باہر نکلے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی قبر میں 9 کچی اینٹیں لحد پر لگائی گئیں اور آپ کے نیچے نجرانی چادر بچھائی گئی۔ قبر تیار ہو گئی تو زمین سے ایک بالشت اونچا بنایا گیا۔

یہ دن صحابہ کے لئے غم والم کا دن تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ میں نے اس دن سے زیادہ خوبصورت اور روشن دن نہیں دیکھا جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے اور جس دن آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سے زیادہ ظلمت والا دن نہیں دیکھا۔ انسانوں کو تو جو غم پہنچا اسکی تو داستان ہی جدا۔ جانوروں کو بھی غم نے آلیا۔ چنانچہ یعفور نامی

جو گدھا تھا وہ ایک کنویں میں گر کر مر گیا اور آپ کی اونٹنی کے کھانا پینا چھوڑ دیا اور ہلاک ہو گئی۔ (جلد دوئم صفحہ 431)

امام احمد زینی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ وہ حالات تھے جو اللہ تعالی نے مجھے جمع کر کے کتاب میں لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالی ہمیں آپ ﷺ کی سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور متقدمین سے ملا دے۔ ہمیں صحابہ اور اہل بیت کے گروہ میں شامل کرے۔ ہمیں محمدی مدد پہنچائے اور وجہ کریم کی زیارت کروائے۔ آمین۔ (جلد دوئم آخری صفحہ :432)

فریاد درد کی کتب میں ذکر:

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تصنیف فریاد درد روحانی خزائن جلد 13 میں مبلغین کو مناظرات وغیرہ میں علم میں اضافہ کے لئے کتب کی فہرست درج فرمائی ہے۔ اس فہرست میں زینی دحلان کی السیرۃ النبویۃ کا ذکر تاریخ کی کتب میں فرمایا ہے۔ (فریاد درد روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 462)

قسط ہفتم

قرآن مجید کے حسن و جمال کا تذکرہ روحانی خزائن میں

سید میر محمود احمد صاحب ناصر مرحوم

جمال و حسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

(18) قرآن مجید میں تخلیق عالم کے ضمن میں 6 ایام کا ذکر کیا گیا ہے اس کی حکمت اور اس کے حقیقی معانی کی جو تشریح حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے فرمائی ہے اس میں قرآنی مضامین کے ربط اور ترتیب کی جھلکیاں ملتی ہیں، آپ فرماتے ہیں:

”ایک اور اعتراض ہے جو بعض ناواقف ...... پیش کیا کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ (یونس: 4) یعنی خدا نے جو تمہارا رب ہے زمین اور آسمانوں کو چھ دن میں بنایا اور پھر عرش پر ٹھہرا یہ چھ دن کی کیوں تخصیص ہے یہ تو تسلیم کیا کہ خدا تعالیٰ کے کام اکثر تدریجی ہیں جیسا کہ اب بھی اس کی خالقیت جو جمادات اور نباتات اور حیوانات میں اپنا کام کر رہی ہے تدریجی طور پر ہی ہر ایک چیز کو اس کی خلقت کاملہ تک پہنچاتی ہے لیکن چھ دن کی تخصیص کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔

اما الجواب پس واضح ہو کہ یہ چھ دن کا ذکر در حقیقت مراتب تکوینی کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر یک چیز جو بطور خلق صادر ہوئی ہے اور جسم اور جسمانی ہے خواہ وہ مجموعہ عالم ہے اور خواہ ایک فرد از افراد عالم اور خواہ وہ عالم کبیر ہے جو زمین و آسمان ومافیہا سے مراد ہے اور خواہ وہ عالم صغیر جو انسان سے مراد ہے وہ بحکمت و قدرت باری تعالیٰ پیدائش کے چھ مرتبے طے کر کے اپنے کمال خلقت کو پہنچتی ہے اور یہ عام قانون قدرت ہے کچھ ابتدائی زمانہ سے خاص نہیں چنانچہ اللہ جلّ شانہٗ ہر ایک انسان کی پیدائش کی نسبت بھی انہیں مراتب ستہ کا ذکر فرماتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے اٹھارویں سیپارے سورۃ المؤمنون میں یہ آیت ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ

اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ (المومنون: 13 تا 15) یعنی پہلے تو ہم نے انسان کو اس مٹی سے پیدا کیا جو زمین کے تمام انواع اور اقسام کا لُب لباب تھا اور اس کی تمام قوتیں اپنے اندر رکھتا تھا تا وہ باعتبار جسم بھی عالم صغیر ٹھہرے اور زمین کی تمام چیزوں کی اس میں قوت اور خاصیت ہو جیسا کہ وہ بر طبق آیت فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ (الحجر: 30) باعتبار روح عالم صغیر ہے اور بلحاظ شیون وصفات کاملہ وظلیّت تام روح الٰہی کا مظہر تام ہے۔ پھر بعد اس کے انسان کو ہم نے دوسرے طور پر پیدا کرنے کے لئے یہ طریق جاری کیا جو انسان کے اندر نطفہ پیدا کیا اور اس نطفہ کو ہم نے ایک مضبوط تھیلی میں جو ساتھ ہی رحم میں بنتی جاتی ہی جگہ دی۔ (قَرَارٍ مَّكِیْنٍ کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا کہ تا رحم اور تھیلی دونوں پر اطلاق پا سکے) اور پھر ہم نے نطفہ سے علقہ بنایا اور علقہ سے مضغہ اور مضغہ کے بعض حصوں میں سے ہڈیاں اور ہڈیوں پر پوست پیدا کیا پھر اس کو ایک اور پیدائش دی یعنی روح اس میں ڈال دی۔ پس کیا ہی مبارک ہے وہ خدا جو اپنی صنعت کاری میں تمام صناعوں سے بلحاظ حسن صنعت و کمال عجائبات خلقت بڑھا ہوا ہے۔

اب دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ بھی اپنا قانون قدرت یہی بیان فرمایا کہ انسان چھ طور کے خلقت کے مدارج طے کر کے اپنے کمال انسانیت کو پہنچتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ عالم صغیر اور عالم کبیر میں نہایت شدید تشابہ ہے اور قرآن سے انسان کا عالم صغیر ہونا ثابت ہے اور آیت لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین: 5) اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ تقویم عالم کی متفرق خوبیوں اور حسنوں کا ایک ایک حصہ انسان کو دے کر بوجہ جامعیت جمیع شمائل وشیون عالم اس کو احسن ٹھہرایا گیا ہے پس اب بوجہ تشابہ عالمین اور نیز بوجہ ضرورت تناسب افعال صانع واحد ماننا پڑتا ہے کہ جو عالم صغیر میں مراتب تکوین موجود ہیں وہی مراتب تکوین عالم کبیر میں بھی ملحوظ ہوں اور ہم صریح اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ یہ عالم صغیر جو انسان کے اسم سے موسوم ہے اپنی پیدائش میں چھ طریق رکھتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ عالم عالم کبیر کے کوائف مخفیہ کی شناخت کے لئے ایک آئینہ کا حکم رکھتا ہے پس جب کہ اس کی پیدائش کے چھ مرتبے ثابت ہوئے تو قطعی طور پر یہ حکم دے سکتے ہیں کہ عالم کبیر کے بھی مراتب تکوین چھ ہی ہیں جو بلحاظ موثرات ستّہ یعنی تجلیات ستّہ جن کے آثار باقیہ نجوم ستہ میں محفوظ رہ گئے ہیں معقولی طور پر متحقق ہوتے ہیں۔ اور نجوم ستہ کا اب بھی علوم حکمیہ میں جنین کی تکمیل کے لئے تعلق مانا جاتا ہے چنانچہ سدیدی میں اس کے متعلق ایک مبسوط بحث لکھی ہے۔ بعض نادان اس جگہ اس آیت کی نسبت یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ حال کی طبی تحقیقاتوں کی رو سے یہ طرز بچہ کے بننے کی جو رحم عورت میں بنتا ہے ثابت نہیں ہوتی بلکہ برخلاف اس کے ثابت ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض سخت درجہ کی کم فہمی یا صریح تعصب پر مبنی ہے اس بات کے تجربہ کے لئے کسی ڈاکٹر یا طبیب کی حاجت نہیں خود ہر یک انسان اس آزمائش کے لئے وقت خرچ کر کے اور ان بچوں کو دیکھ کر جو تام خلقت یا ناتمام خلقت کی حالت

میں پیدا ہوتے ہیں یا سقوط حمل کے طور پر گرتے ہیں۔ حقیقت واقعیہ تک پہنچ سکتا ہے اور جیسا کہ ہم اپنے ذاتی مشاہدہ سے جانتے ہیں بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ جب خدا تعالیٰ انسانی نطفہ سے کسی بچہ کو رحم میں بنانے کے لئے ارادہ فرماتا ہے تو پہلے مرد اور عورت کا نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے اور صرف چند روز تک ان دونوں منیوں کے امتزاج سے کچھ تغیر طاری ہو کر جمے ہوئے خون کی طرح ایک چیز ہو جاتی ہے جس پر ایک نرم سی جھلّی ہوتی ہے یہ جھلّی جیسے جیسے بچہ بڑھتا ہے بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ خاکی رنگ کی ایک تھیلی سی ہو جاتی ہے جو گٹھڑی کی طرح نظر آتی ہے اور اپنی تکمیل خلقت کے دنوں تک بچہ اسی میں ہوتا ہے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور حال کی تحقیقاتیں بھی اس کی مصدّق ہیں کہ عالم کبیر بھی اپنے کمال خلقت کے وقت تک ایک گٹھڑی کی طرح تھا جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اَوَ لَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَ جَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ۔ (الانبیاء: 31) یعنی فرماتا ہے کہ کیا کافروں نے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھا کہ گٹھڑی کی طرح آپس میں بندھے ہوئے تھے اور ہم نے ان کو کھول دیا۔

سو کافروں نے تو آسمان اور زمین بنتا نہیں دیکھا اور نہ ان کی گٹھڑی دیکھی لیکن اس جگہ روحانی آسمان اور روحانی زمین کی طرف اشارہ ہے جس کی گٹھڑی کفار عرب کے روبرو کھل گئی اور فیضان سماوی زمین پر جاری ہو گئے اب پھر ہم اپنے پہلے کلام کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ نطفتین مرد اور عورت کے جو آپس میں مل جاتے ہیں وہ اول مرتبہ تکوین کا ہے۔ اور پھر ان میں ایک جوش آ کر وہ مجموعہ نطفتین جو قوت عاقدہ اور منعقدہ اپنے اندر رکھتا ہے سرخی کی طرف مائل ہو جاتا ہے گویا وہ منی جو پہلے خون سے بنی تھی پھر اپنے اصلی رنگ کی طرف جو خونی ہے عود کر آتی ہے یہ دوسرا درجہ ہے پھر وہ خون جما ہوا جس کا نام علقہ ہے ایک گوشت کا مضغہ ہو جاتا ہے جو انسانی شکل کا کچھ خاکہ نہایت دقیق طور پر اپنے اندر رکھتا ہے یہ تیسرا درجہ ہے اور اس درجہ پر اگر بچہ ساقط ہو جائے تو اس کے دیکھنے سے غور کی نظر سے کچھ خطوط انسان بننے کے اس میں دکھائی دیتے ہیں چنانچہ اکثر بچے اس حالت میں بھی ساقط ہو جاتے ہیں جن عورتوں کو کبھی یہ اتفاق پیش آیا ہے یا وہ دایہ کا کام کرتی ہیں وہ اس حال سے خوب واقف ہیں پھر چوتھا درجہ وہ ہے جب مضغہ سے ہڈیاں بنائی جاتی ہیں جیسا کہ آیت فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَۃَ عِظٰمًا۔ (المومنون: 15) بیان فرما رہی ہے۔ مگر الۡمُضۡغَۃَ پر جو الف لام ہے وہ تخصیص کے لئے ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام مضغہ ہڈی نہیں بن جاتا بلکہ جہاں جہاں ہڈیاں درکار ہیں باذنہٖ تعالیٰ وہی نرم گوشت کسی قدر صلب ہو کر ہڈی کی صورت بن جاتا ہے اور کسی قدر بدستور نرم گوشت رہتا ہے۔ اور اس درجہ پر انسانی شکل کا کھلا کھلا خاکہ طیار ہو جاتا ہے جس کے دیکھنے کے لئے کسی خوردبین کی ضرورت نہیں اس خاکہ میں انسان کا اصل وجود جو کچھ بننا چاہیئے تھا بن چکتا ہے لیکن وہ ابھی اس لحم سے خالی ہوتا ہے جو انسان کے لئے بطور ایک موٹے اور شاندار اور چمکیلے لباس کے لئے ہے۔ جس سے انسان کے تمام خط و خال

ظاہر ہوتے ہیں اور بدن پر تازگی آتی ہے اور خوبصورتی نمایاں ہو جاتی ہے اور تناسب اعضا پیدا ہوتا ہے پھر بعد اس کے پانچواں درجہ وہ ہے کہ جب اس خاکہ پر لحم یعنی موٹا گوشت برعایت مواضع مناسبہ چڑھایا جاتا ہے یہ وہی گوشت ہے کہ جب انسان تپ وغیرہ سے بیمار رہتا ہے تو فاقہ اور بیماری کی تکالیف شاقہ سے وہ گوشت تحلیل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انسان ایسی لاغری کی حالت پر پہنچ جاتا ہے جو وہی پانچویں درجہ کا خاکہ یعنی مشت استخوان رہ جاتا ہے جیسے مدقوقوں اور مسلولوں اور اصحاب ذیابیطس میں مرض کے انتہائی درجہ میں یہ صورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی کی حیات مقدر ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کے بدن پر گوشت چڑھاتا ہے غرض یہ وہی گوشت ہے جس سے خوبصورتی اور تناسب اعضا اور رونق بدن پیدا ہوتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ گوشت خاکہ طیار ہونے کے بعد آہستہ آہستہ جنین پر چڑھتا رہتا ہے۔ اور جب جنین ایک کافی حصہ اس کا لے لیتا ہے۔ تب باذنہٖ تعالیٰ اس میں جان پڑ جاتی ہے تب وہ نباتی حالت سے جو صرف نشو نما ہے منتقل ہو کر حیوانی حالت کی خاصیت پیدا کر لیتا ہے اور پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے غرض یہ ثابت شدہ بات ہے کہ بچہ اپنی نباتی صورت سے حیوانی صورت کو کامل طور پر اس وقت قبول کرتا ہے کہ جب کہ عام طور پر موٹا گوشت اس کے بدن پر مناسب کمی بیشی کے ساتھ چڑھ جاتا ہے یہی بات ہے جس کو آج تک انسان کے مسلسل تجارب اور مشاہدات نے ثابت کیا ہے یہ وہی تمام صورت ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے اور مشاہدات کے ذریعہ سے بتواتر ثابت ہے پھر اس پر اعتراض کرنا اگر نادانوں کا کام نہیں تو اور کس کا ہے؟

اب پھر ہم اپنے کلام کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ چونکہ عالم صغیر میں جو انسان ہے سنت اللہ یہی ثابت ہوئی ہے کہ اس کے وجود کی تکمیل چھ مرتبوں کے طے کرنے کے بعد ہوتی ہے تو اسی قانون قدرت کی رہبری سے ہمیں معقولی طور پر یہ راہ ملتی ہے کہ دنیا کی ابتدا میں جو اللہ جلّ شانہٗ نے عالم کبیر کو پیدا کیا تو اس کی طرز پیدائش میں بھی یہی مراتب ستّہ ملحوظ رکھے ہوں گے اور ہر یک مرتبہ کو تفریق اور تقسیم کی غرض سے ایک دن یا ایک وقت سے مخصوص کیا ہوگا جیسا کہ انسان کی پیدائش کے مراتب ستّہ چھ وقتوں سے خاص ہیں اور دنیا کی تمام قوموں کا سات دنوں پر اتفاق ہونا اور ایک دن تعطیل کا نکال کر چھ دنوں کو کاموں کے لئے خاص کرنا اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چھ دن ان چھ دنوں کی یادگار چلے آتے ہیں کہ جن میں زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے بنایا گیا تھا۔

اور اگر کوئی اب بھی تسلیم نہ کرے اور انکار سے باز نہ آوے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم نے تو عالم کبیر کے لئے عالم صغیر کی پیدائش کے مراتب ستّہ کا ثبوت دے دیا اور جو کام کرنے کے دن بالاتفاق ہر یک قوم میں مسلّم ہیں ان کا چھ ہونا بھی ظاہر کر دیا اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ خدا تعالیٰ کے تمام پیدائشی کام اس دنیا میں تدریجی ہیں تو پھر اگر منکر کی نظر میں یہ دلیل کافی نہیں تو اس پر واجب ہوگا کہ وہ بھی تو اپنے اس دعوٰے پر کوئی دلیل پیش کرے کہ خدا تعالیٰ نے یہ عالم

جسمانی صرف ایک دم میں پیدا کر دیا تھا تدریجی طور پر پیدا نہیں کیا تھا۔ ہر یک شخص جانتا ہے کہ وہی خدا اب بھی ہے جو پہلے تھا اور وہی خالقیت کا سلسلہ اب بھی جاری ہے جو پہلے جاری تھا۔ اور صاف بدیہی طور پر نظر آ رہا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر یک مخلوق کو تدریجی طور پر اپنے کمال وجود تک پہنچاتا ہے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ پہلے وہ قوی تھا اور جلد کام کر لیتا تھا اور اب ضعیف ہے اور دیر سے کرتا ہے بلکہ یہی کہیں گے کہ اس کا قانون قدرت ہی ابتدا سے یہی ہے کہ وہ ہر یک مخلوق کو بتدریج پیدا کرتا ہے سو حال کے افعال الٰہی ہمیں بتلا رہے ہیں کہ گزشتہ اور ابتدائی زمانہ میں بھی یہی تدریج ملحوظ تھی جو اب ہے ہم سخت نادان ہوں گے اگر ہم حال کے آئینہ میں گزشتہ کی صورت نہ دیکھ لیں اور حال کی طرز خالقیت پر نظر ڈال کر صرف اتنا ہی ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اپنی پیدائش کے سلسلہ کو تدریج سے کمال وجود تک پہنچاتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر یک مخلوق کی پیدائش میں چھ ہی مرتبے رکھے ہیں اور حکمت الٰہی نے ہر یک مخلوق کی پیدائش میں یہی تقاضا کیا کہ اس کے پیدا ہونے کے چھ مرتبے ہوں جو چھ وقتوں میں انجام پذیر ہوں کسی مخلوق پر نظر ڈال کر دیکھ لو یہی چھ مراتب اس میں متحقق ہوں گے یعنی بنظر تحقیق یہ ثابت ہوگا کہ ہر یک جسمانی مخلوق کے وجود کی تکمیل چھ مرتبوں کے طے کرنے کے بعد ہوتی ہے اور انسان پر کچھ موقوف نہیں زمین پر جو ہزارہا حیوانات ہیں ان کے وجود کی تکمیل بھی انہیں مراتب ستہ پر موقوف پاؤ گے۔

پھر ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ مراتب ستہ تکوین کا صرف جسمانی مخلوق میں ہی محدود نہیں بلکہ روحانی امور میں بھی اس کا وجود پایا جاتا ہے مثلاً تھوڑے سے غور سے معلوم ہوگا کہ انسان کی روحانی پیدائش کے مراتب بھی چھ 6 ہی ہیں پہلے وہ نطفہ کی صورت پر صرف حق کے قبول کرنے کی ایک استعداد بعیدہ اپنے اندر رکھتا ہے اور پھر جب اس استعداد کے ساتھ ایک قطرہ رحمت الٰہی مل جاتا ہے اسی طرز کے موافق کہ جب عورت کے نطفہ میں مرد کا نطفہ پڑتا ہے تو تب انسان کی باطنی حالت نطفہ کی صورت سے علقہ کی صورت میں آ جاتی ہے اور کچھ رشتہ باری تعالیٰ سے پیدا ہونے لگتا ہے جیسا کہ علقہ کے لفظ سے تعلق کا لفظ مفہوم ہوتا ہے اور پھر وہ علقہ اعمال صالحہ کے خون کی مدد سے مضغہ بنتا ہے اسی طرز سے کہ جیسے خون حیض کی مدد سے علقہ مضغہ بن جاتا ہے اور مضغہ کی طرح ابھی اس کے اعضا ناتمام ہوتے ہیں جیسا کہ مضغہ میں ہڈی والے عضو ابھی ناپدید ہوتے ہیں ایسا ہی اس میں بھی شدت لِلّٰہ اور ثبات لِلّٰہ اور استقامت لِلّٰہ کے عضو ابھی کما حقہ پیدا نہیں ہوتے گو تواضع اور نرمی موجود ہو جاتی ہے۔ اور اگرچہ پوری شدت اور صلابت اس مرتبہ میں پیدا نہیں ہوتی مگر مضغہ کی طرح کسی قدر قضا و قدر کی مضغ کے لائق ہو جاتا ہے یعنی کسی قدر اس لائق ہو جاتا ہے کہ قضا و قدر کا دانت اس پر چلے اور وہ اس کے نیچے ٹھہر سکے کیونکہ علقہ جو ایک سیال رطوبت کے قریب قریب ہے وہ تو اس لائق ہی نہیں کہ دانتوں کے نیچے پیسا جاوے اور ٹھہرا رہے لیکن مضغہ مضغ کے لائق ہے

اسی لئے اس کا نام مضغہ ہے سو مضغہ ہونے کی وہ حالت ہے کہ جب کچھ چاشنی محبت الٰہی کی دل میں پڑ جاتی ہے اور تجلّی جلالی توجہ فرماتی ہے کہ بلاؤں کے ساتھ اس کی آزمائش کرے تب وہ مضغہ کی طرح قضاو قدر کے دانتوں میں پیسا جاتا ہے اور خوب قیمہ کیا جاتا ہے غرض تیسرا درجہ سالک کے وجود کا مضغہ ہونے کی حالت ہے اور پھر چوتھا درجہ وہ ہے کہ جب انسان استقامت اور بلاؤں کی برداشت کی برکت سے آزمائے جانے کے بعد نقوش انسانی کا پورے طور پر انعام پاتا ہے یعنی روحانی طور پر اس کے لئے ایک صورت انسانی عطا ہوتی ہے اور انسان کی طرح اس کو دو آنکھیں دو کان اور دل اور دماغ اور تمام ضروری قویٰ اور اعضا عطا کئے جاتے ہیں اور بمقتضائے آیت اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ ۔(الفتح:30) سختی اور نرمی مواضع مناسبہ میں ظاہر ہو جاتی ہے یعنی ہر یک خلق اس کا اپنے اپنے محل پر صادر ہوتا ہے اور آداب طریقت تمام محفوظ ہوتے ہیں اور ہر یک کام اور کلام حفظ حدود کے لحاظ سے بجالاتا ہے یعنی نرمی کی جگہ پر نرمی اور سختی کی جگہ پر سختی اور تواضع کی جگہ پر تواضع اور ترفع کی جگہ پر ترفع ایسا ہی تمام قویٰ سے اپنے اپنے محل پر کام لیتا ہے یہ درجہ جنین کے اس درجہ سے مشابہت رکھتا ہے کہ جب وہ مضغہ کی حالت سے ترقی کر کے انسان کی صورت کا ایک پورا خاکہ حاصل کر لیتا ہے اور ہڈی کی جگہ پر ہڈی نمودار ہو جاتی ہے اور گوشت کی جگہ پر گوشت باقی رہتا ہے ہڈی نہیں بنتی اور تمام اعضا میں باہم تمیز کلّی پیدا ہو جاتی ہے لیکن ابھی خوبصورتی اور تازگی اور تناسب اعضا نہیں ہوتا صرف خاکہ ہوتا ہے جو نظر دقیق سے دکھائی دیتا ہے پھر بعد اس کے عنایت الٰہی توفیقات متواترہ سے موفق کر کے اور تزکیہ نفس کے کمال تک پہنچا کر اور فنافی اللہ کے انتہائی نقطہ تک کھینچ کر اس کے خاکہ کے بدن پر انواع اقسام کی برکات کا گوشت بھر دیتی ہے اور اس گوشت سے اس کی شکل کو چمکیلی اور اس کی تمام ہیکل کو آبدار کر دیتی ہے تب اس کے چہرہ پر کاملیّت کا نور برستا ہے اور اس کے بدن پر کمال تام کی آب و تاب نظر آتی ہے اور یہ درجہ پیدائش کا جسمانی پیدائش کے اس درجہ سے مشابہ ہوتا ہے کہ جب جنین کے خاکہ کی ہڈیوں پر گوشت چڑھایا جاتا ہے اور خوبصورتی اور تناسب اعضا ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر بعد اس کے روحانی پیدائش کا چھٹا درجہ ہے جو مصداق ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ ۔(المومنون:15) کا ہے۔ وہ مرتبہ بقا ہے جو فنا کے بعد ملتا ہے جس میں روح القدس کامل طور پر عطا کیا جاتا ہے اور ایک روحانی زندگی کی روح انسان کے اندر پھونک دی جاتی ہے۔ ایسا ہی یہ چھ مراتب خدا تعالیٰ کی پاک کلام میں بھی جمع ہیں۔ اول حروف کا مرتبہ جو حامل کلام الٰہی اور کلمات کتاب اللہ کے لئے بطور تخم کے ہیں جن کو معانی مقصودہ سے کچھ بھی حصہ نہیں ہاں ان کے حصول کے لئے ایک استعداد بعیدہ رکھتے ہیں دوم کلمات کا مرتبہ جو اس تخم کے ذریعہ سے ظہور خارجی کے رنگ میں آئے جن کو معانی مقصودہ سے کچھ حصہ نہیں مگر ان کے حصول کے لئے ایک ذریعہ قریبہ ہیں سوم ان فقرات ناتمام کا مرتبہ جو ابھی کلام مقصودہ کے پورے درجہ تک نہیں پہنچے تھے کیونکہ ہنوز تنزیل کا سلسلہ ناتمام تھا اور

خدا تعالیٰ کے کلام نے ابھی اپنا کامل چہرہ نہیں دکھلایا تھا مگر ان فقرات کو معانی مقصودہ سے ایک وافر حصہ تھا اس لئے وہ کلام تام الٰہی کے لئے بطور بعض اعضا کے ٹھہرے جن کا نام بلحاظ قلّت و کثرت آیتیں اور سورتیں رکھا گیا چہارم اس کا کلام جامع تام مفصل ممیز کا مرتبہ جو سب نازل ہو چکا اور جمیع مضامین مقصودہ اور علوم حکمیہ و قصص و اخبار و احکام و قوانین وضوابط و حدود و مواعید و انذارات و تبشیرات اور درشتی اور نرمی اور شدّت اور رحم اور حقائق و نکات پر بالاستیفا مشتمل ہے پنجم بلاغت و فصاحت کا مرتبہ جو زینت اور آرائش کے لئے اس کلام پر ازل سے چڑھائی گئی ششم برکت اور تاثیر اور کشش کی روح کا مرتبہ جو اس پاک کلام میں موجود ہے جس نے تمام کلام پر اپنی روشنی ڈالی اور اس کو زندہ اور منور کلام ثابت کیا۔

اسی طرح ہریک عاقل اور فصیح منشی کے کلام میں یہی چھ مراتب جمع ہو سکتے ہیں گو وہ کلام اعجازی حد تک نہیں پہنچتا کیونکہ جن حروف میں کوئی کلام لکھا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں یا انگریزی یا ہندی پہلے ان کا وجود ضروری ہے سو یہ تو پہلا مرتبہ ہوا جو مضامین مقصودہ کے اظہار کے لئے ایک ذریعہ بعیدہ ہے مگر ان سے کچھ حصہ نہیں رکھتا پھر بعد اس کے دوسرا مرتبہ کلمات کا ہے جو حروف قرار دادہ سے پیدا ہوں گے جن کو معانی و مضامین مقصودہ سے ابھی کچھ حصہ نہیں مگر ان کے حصول کے لئے ایک ذریعہ قریبہ ہیں۔ پھر اس کے بعد تیسرا مرتبہ فقرات کا ہے جو ابھی معانی مقصودہ کے پورے جامع تو نہیں مگر ان میں سے کچھ حصہ رکھتے ہیں اور اس مضمون کے لئے جو منشی کے ذہن میں ہے بطور بعض اعضا کے ہیں۔ پھر چوتھا مرتبہ کلام جامع تام کا ہے جو منشی کے دل میں سے نکل کر بہ تمام و کمال کاغذ پر اندراج پا گیا ہے اور تمام معانی اور مضامین مقصودہ کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے پھر پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ ان سادہ فقرات اور عبارتوں پر بلاغت اور فصاحت کا رنگ چڑھایا جائے اور خوش بیانی کے نمک سے ملیح کیا جائے پھر چھٹا مرتبہ جو بلا توقف اس مرتبہ کے تابع ہے یہ ہے کہ کلام میں اثر اندازی کی ایک جان پیدا ہو جائے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیوے اور طبیعتوں میں گھر کر لیوے۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ یہ مراتب ستہ بکلی ان مراتب ستہ کی مانند اور ان کی مثیل ہیں جن کا قرآن کریم میں نطفہ علقہ مضغہ اور کچھ مضغہ اور کچھ عظام یعنی انسان کی شکل کا خاکہ اور انسان کی پوری شکل اور جاندار انسان نام رکھا ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 172 تا 211 حاشیہ)

(19) روحانی معارف کو مادی مثالوں میں بیان کرنے کا ایک لطیف نمونہ آیت اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ میں ہے جس کی تشریح میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے قرآنی مضمون کے حسن ترتیب کو روشن کر کے دکھلایا ہے۔ فرماتے ہیں:

اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ ؕ اَلۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔(النور: 36)

خدا آسمان وزمین کا نور ہے۔ یعنے ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے۔ خواہ وہ ارواح میں ہے۔ خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے خواہ خارجی۔ اسی کے فیض کا عطیہ ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ربّ العالمین کا فیض عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے اور کوئی اس کے فیض سے خالی نہیں۔ وہی تمام فیوض کا مبدء ہے اور تمام انوار کا علت العلل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اُسی کی ہستیٔ حقیقی تمام عالم کی قیوم اور تمام زیر وزبر کی پناہ ہے۔ وہی ہے جس نے ہر ایک چیز کو ظلمت خانہ عدم سے باہر نکالا اور خلعت وجود بخشا۔ بجز اس کے کوئی ایسا وجود نہیں ہے کہ جو فی حد ذاتہ واجب اور قدیم ہو۔ یا اس سے مستفیض نہ ہو بلکہ خاک اور افلاک اور انسان اور حیوان اور حجر اور شجر اور روح اور جسم سب اُسی کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔ یہ تو عام فیضان ہے جس کا بیان آیت اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں ظاہر فرمایا گیا۔ یہی فیضان ہے جس نے دائرہ کی طرح ہر یک چیز پر احاطہ کر رکھا ہے جس کے فائض ہونے کے لئے کوئی قابلیت شرط نہیں۔

لیکن بمقابلہ اس کے ایک خاص فیضان بھی ہے جو مشروط بشرائط ہے اور انہیں افراد خاصہ پر فائض ہوتا ہے جن میں اس کے قبول کرنے کی قابلیت واستعداد موجود ہے۔ یعنی نفوس کاملہ انبیاء علیہم السلام پر جن میں سے افضل واعلیٰ ذات جامع البرکات حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہے دوسروں پر ہرگز نہیں ہوتا۔ اور چونکہ وہ فیضان ایک نہایت باریک صداقت ہے اور دقائق حکمیہ میں سے ایک دقیق مسئلہ ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے اوّل فیضان عام کو (جو بدیہی الظہور ہے) بیان کر کے پھر اس فیضان خاص کو بغرض اظہار کیفیت نور حضرت خاتم الانبیاء صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک مثال میں بیان فرمایا ہے کہ جو اس آیت سے شروع ہوتی ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ الخ۔ اور بطور مثال اس لئے بیان کیا کہ تا اس دقیقۂ نازک کے سمجھنے میں ابہام اور دقت باقی نہ رہے۔ کیونکہ معانی معقولہ کو صُوَرِ محسوسہ میں بیان کرنے سے ہر ایک غبی وبلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ بقیہ ترجمہ آیات ممدوحہ یہ ہے۔

اس نور کی مثال (فرد کامل میں جو پیغمبر ہے) **یہ ہے جیسے ایک طاق** (یعنے سینۂ مشروح حضرت پیغمبر خدا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) **اور طاق میں ایک چراغ** (یعنے وحی اللہ) **اور چراغ ایک شیشہ کی قندیل میں جو نہایت مصفّٰی ہے۔** (یعنے نہایت پاک اور مقدس دل میں جو آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا دل ہے جو کہ اپنی اصل فطرت میں شیشۂ سفید اور صافی کی طرح ہر یک طور کی کثافت اور کدورت سے مُنزّہ اور مطہر ہے۔ اور تعلقات ماسوی اللہ سے بکلی پاک ہے) اور شیشہ

ایسا صاف کہ گویا ان ستاروں میں سے ایک عظیم النور ستارہ ہے جو کہ آسمان پر بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکتے ہوئے نکلتے ہیں جن کو کوکبِ دُرّی کہتے ہیں (یعنے حضرت خاتم الانبیاءؐ کا دل ایسا صاف کہ کوکب دُرّی کی طرح نہایت منور اور درخشندہ جس کی اندرونی روشنی اس کے بیرونی قالب پر پانی کی طرح بہتی ہوئی نظر آتی ہے) وہ چراغ زیتون کے شجرۂ مبارکہ سے (یعنی زیتون کے روغن سے) روشن کیا گیا ہے (شجرۂ مبارکہ زیتون سے مراد وجودِ مبارک محمدی ہے کہ جو بوجہ نہایت جامعیت و کمال انواع و اقسام کی برکتوں کا مجموعہ ہے جس کا فیض کسی جہت و مکان و زمان سے مخصوص نہیں۔ بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام علیٰ سبیل الدوام ہے اور ہمیشہ جاری ہے کبھی منقطع نہیں ہوگا) اور شجرۂ مبارکہ نہ شرقی ہے نہ غربی (یعنے طینت پاک محمدیؐ میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ بلکہ نہایت توسط و اعتدال پر واقع ہے اور احسن تقویم پر مخلوق ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ اس شجرۂ مبارکہ کے روغن سے چراغِ وحی روشن کیا گیا ہے۔ سو روغن سے مراد عقل لطیف نورانی محمدی معہ جمیع اخلاق فاضلہ فطرتیہ ہے جو اس عقل کامل کے چشمۂ صافی سے پروردہ ہیں۔ اور وحی کا چراغ لطائف محمدیّہ سے روشن ہونا ان معنوں کرکے ہے کہ ان لطائف قابلہ پر وحی کا فیضان ہوا اور ظہور وحی کا موجب وہی ٹھہرے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ فیضانِ وحی ان لطائف محمدیّہ کے مطابق ہوا۔ اور انہیں اعتدالات کے مناسب حال ظہور میں آیا کہ جو طینت محمدیہ میں موجود تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر یک وحی نبیٔ منزل علیہ کی فطرت کے موافق نازل ہوتی ہے۔

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جلال اور غضب تھا۔ توریت بھی موسوی فطرت کے موافق ایک جلالی شریعت نازل ہوئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مزاج میں حلم اور نرمی تھی۔ سو انجیل کی تعلیم بھی حلم اور نرمی پر مشتمل ہے۔ مگر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا مزاج بغایت درجہ وضع استقامت پر واقعہ تھا نہ ہر جگہ حلم پسند تھا اور نہ ہر مقام غضب مرغوب خاطر تھا۔ بلکہ حکیمانہ طور پر رعایت محل اور موقعہ کی ملحوظ طبیعت مبارک تھی۔ سو قرآن شریف بھی اسی طرز موزون و معتدل پر نازل ہوا کہ جامع شدت و رحمت و ہیبت و شفقت و نرمی و درشتی ہے۔ سو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ چراغِ وحی فرقان اس شجرۂ مبارکہ سے روشن کیا گیا ہے کہ نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔

یعنے طینت معتدلہ محمدیہ کے موافق نازل ہوا ہے جس میں نہ مزاج موسوی کی طرح درشتی ہے۔ نہ مزاج عیسوی کی مانند نرمی۔ بلکہ درشتی اور نرمی اور قہر اور لطف کا جامع ہے۔ اور مظہر کمال اعتدال اور جامع بین الجلال والجمال ہے اور اخلاق معتدلہ فاضلہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ جو بمعیت عقل لطیف روغن ظہور روشنیٔ وحی قرار پائی۔ اُن کی نسبت ایک دوسرے مقام میں بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کرکے فرمایا ہے اور وہ یہ ہے: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ (القلم:5) الجزو نمبر 29 یعنے تو اے نبیؐ ایک خلق عظیم پر مخلوق و مفطور ہے یعنے اپنی ذات میں تمام مکارم اخلاق کا ایسا متمم و مکمل ہے کہ اس پر زیادت متصور نہیں کیونکہ لفظ عظیم محاورۂ عرب میں اس چیز کی صفت میں بولا جاتا ہے

جس کو اپنا نوعی کمال پورا پورا حاصل ہو۔

مثلاً جب کہیں کہ یہ درخت عظیم ہے تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ جس قدر طول و عرض درخت میں ہو سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عظیم وہ چیز ہے جس کی عظمت اس حد تک پہنچ جائے کہ حیطۂ ادراک سے باہر ہو۔ اور خلق کے لفظ سے قرآن شریف اور ایسا ہی دوسری کتب حکمیہ میں صرف تازہ روی اور حسنِ اختلاط یا نرمی و تلطف و ملائمت (جیسا عوام الناس خیال کرتے ہیں) مراد نہیں ہے بلکہ خَلق بفتح خا اور خُلق بضم خا دو لفظ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل واقعہ ہیں۔

خَلق بفتح خا سے مراد وہ صورت ظاہری ہے جو انسان کو حضرت واہب الصور کی طرف سے عطا ہوئی۔ جس صورت کے ساتھ وہ دوسرے حیوانات کی صورتوں سے ممیز ہے۔

اور خُلق بضم خا سے مراد وہ صورت باطنی یعنے خواص اندرونی ہیں جن کی رو سے حقیقت انسانیہ حقیقت حیوانیہ سے امتیاز کلی رکھتی ہے۔

پس جس قدر انسان میں من حیث الانسانیت اندرونی خواص پائے جاتے ہیں اور شجرہ انسانیت کو نچوڑ کر نکل سکتے ہیں جو کہ انسان اور حیوان میں من حیث الباطن مابہ الامتیاز ہیں۔ اُن سب کا نام خلق ہے۔

اور چونکہ شجرۂ فطرتِ انسانی اصل میں توسط اور اعتدال پر واقعہ ہے۔ اور ہر یک افراط و تفریط سے جو قویٰ حیوانیہ میں پایا جاتا ہے منزّہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۔(التین:05) الجزو نمبر 30۔ اس لئے خُلق کے لفظ سے جو کسی مذمت کی قید کے بغیر بولا جائے ہمیشہ اخلاق فاضلہ مراد ہوتے ہیں۔ اور وہ اخلاق فاضلہ جو حقیقت انسانیہ ہے۔ تمام وہ خواص اندرونی ہیں جو نفس ناطقہ انسان میں پائے جاتے ہیں جیسے عقلؔ ذکا۔ سرعتِ فہمؔ۔ صفائی ذہنؔ۔ حسنِ تحفظؔ۔ حسنِ تذکرؔ۔ عفتؔ۔ حیاؔ۔ صبرؔ۔ قناعتؔ۔ زہدؔ۔ تورعؔ۔ جوانمردیؔ۔ استقلالؔ۔ عدلؔ۔ امانتؔ۔ صدقِ لہجہؔ۔ سخاوتؔ فی محلہ۔ ایثارؔ فی محلہ۔ کرمؔ فی محلہ۔ مروتؔ فی محلہ۔ شجاعتؔ فی محلہ۔ علو ہمتؔ فی محلہ۔ حلمؔ فی محلہ۔ تحملؔ فی محلہ۔ حمیتؔ فی محلہ۔ تواضعؔ فی محلہ۔ ادبؔ فی محلہ۔ شفقتؔ فی محلہ۔ رافتؔ فی محلہ۔ رحمتؔ فی محلہ۔ خوفؔ الٰہی۔ محبتؔ الٰہیہ۔ انسؔ باللہ۔ انقطاعؔ الی اللہ وغیرہ وغیرہ) اور تیل ایسا صاف اور لطیف کہ بن آگ ہی روشن ہونے پر آمادہ (یعنے عقل اور جمیع اخلاق فاضلہ اس نبی معصوم کے ایسے کمال موزونیت و لطافت و نورانیت پر واقعہ کہ الہام سے پہلے ہی خود بخود روشن ہونے پر مستعد تھے) نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ۔ نور فائض ہوا نور پر یعنے جب کہ وجودِ مبارک حضرت خاتم الانبیاء ﷺ میں کئی نور جمع تھے۔ سو اُن نوروں پر ایک اور نور آسمانی جو وحیٔ الٰہی ہے وارد ہو گیا اور اس نور کے وارد ہونے سے وجود باجُود خاتم الانبیاء کا مجمع الانوار بن گیا۔ پس اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ نور وحی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے۔ تاریکی پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ فیضان کے لئے مناسب شرط ہے۔

اور تاریکی کو نور سے کچھ مناسبت نہیں بلکہ نور کو نور سے مناسبت ہے اور حکیم مطلق بغیر رعایت مناسبت کوئی کام نہیں کرتا۔ ایسا ہی فیضان نور میں بھی اس کا یہی قانون ہے کہ جس کے پاس کچھ نور ہے اسی کو اور نور بھی دیا جاتا ہے۔ اور جس کے پاس کچھ نہیں اس کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ جو شخص آنکھوں کا نور رکھتا ہے وہی آفتاب کا نور پاتا ہے اور جس کے پاس آنکھوں کا نور نہیں وہ آفتاب کے نور سے بھی بے بہرہ رہتا ہے اور جس کو فطرتی نور کم ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی کم ہی ملتا ہے اور جس کو فطرتی نور زیادہ ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی زیادہ ہی ملتا ہے۔

اور انبیاء منجملہ سلسلہ متفاوتہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو اس کثرت اور کمال سے نور باطنی عطا ہوا ہے کہ گویا وہ نور مجسم ہوگئے ہیں۔ اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت ﷺ کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ (المائدۃ:16) الجزو نمبر 6۔ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ (الاحزاب:47) الجزو نمبر 22۔ یہی حکمت ہے کہ نور وحی جس کے لئے نور فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔

پس اب اس حجت موجّہ سے کہ جو مثال مقدم الذکر میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ بطلان ان لوگوں کے قول کا ظاہر ہے جنہوں نے باوصف اس کے کہ فطرتی تفاوت مراتب کے قائل ہیں۔ پھر محض حمق وجہالت کی راہ سے یہ خیال کرلیا ہے کہ جو نور افراد کامل الفطرت کو ملتا ہے وہی نور افراد ناقصہ کو بھی مل سکتا ہے۔ ان کو دیانت اور انصاف سے سوچنا چاہیئے کہ فیضان وحی کے بارہ میں کس قدر غلطی میں وہ مبتلا ہو رہے ہیں۔ صریح دیکھتے ہیں کہ خدا کا قانون قدرت ان کے خیال باطل کی تصدیق نہیں کرتا۔ پھر شدت تعصب وعناد سے اسی خیال فاسد پر جمے بیٹھے ہیں۔

ایسا ہی عیسائی لوگ بھی نور کے فیضان کے لئے فطرتی نور کا شرط ہونا نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ جس دل پر نور وحی نازل ہو۔ اس کے لئے اپنی کسی خاصّہ اندرونی میں نورانیت کی حالت ضروری نہیں بلکہ اگر کوئی بجائے عقل سلیم کے کمال درجہ کا نادان اور سفیہ ہو اور بجائے صفت شجاعت کے کمال درجہ کا بزدل اور بجائے صفت سخاوت کے کمال درجہ کا بخیل اور بجائے صفت حمیت کے کمال درجہ کا بے غیرت اور بجائے صفت محبت الٰہیہ کے کمال درجہ کا محبِ دنیا اور بجائے صفت زہد وورع وامانت کے بڑا بھارا چور اور ڈاکو اور بجائے صفت عفت وحیا کے کمال درجہ کا بے شرم اور شہوت پرست اور بجائے صفت قناعت کے کمال درجہ کا حریص اور لالچی۔ تو ایسا شخص بھی بقول حضرات عیسائیاں باوصف ایسی حالت خراب کے خدا کا نبی اور مقرب ہوسکتا ہے۔ بلکہ ایک مسیح کو باہر نکال کر دوسرے تمام انبیاء جن کی نبوت کو بھی وہ مانتے ہیں اور ان کی الہامی کتابوں کو بھی مقدس مقدس کر کے پکارتے ہیں وہ نعوذ باللہ بقول ان کے ایسے ہی تھے اور کمالات قدسیہ سے جو مستلزم عصمت وپاک دلی ہیں محروم تھے۔ عیسائیوں کی عقل اور خداشناسی پر بھی ہزار آفرین۔ کیا اچھا نور وحی کے نازل ہونے کا فلسفہ بیان کیا مگر ایسے فلسفہ کے تابع ہونے والے اور اس کو پسند کرنے والے وہی لوگ ہیں جو سخت ظلمت اور کور باطنی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ ورنہ نور کے فیض کے لئے نور

کا ضروری ہونا ایسی بدیہی صداقت ہے کہ کوئی ضعیف العقل بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ مگر ان کا کیا علاج جن کو عقل سے کچھ بھی سروکار نہیں اور جو کہ روشنی سے بغض اور اندھیرے سے پیار کرتے ہیں اور چمگادڑ کی طرح رات میں ان کی آنکھیں خوب کھلتی ہیں لیکن روز روشن میں وہ اندھے ہو جاتے ہیں)

خدا اپنے نور کی طرف (یعنے قرآن شریف کی طرف) جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ ہر یک چیز کو بخوبی جانتا ہے (یعنے ہدایت ایک امر منجانب اللہ ہے۔ اسی کو ہوتی ہے جس کو عنایت ازلی سے توفیق حاصل ہو۔ دوسرے کو نہیں ہوتی۔ اور خدا مسائل دقیقہ کو مثالوں کے پیرایہ میں بیان فرماتا ہے تا حقائق عمیقہ قریب بہ افہام ہو جائیں۔ مگر وہ اپنے علم قدیم سے خوب جانتا ہے کہ کون ان مثالوں کو سمجھے گا اور حق کو اختیار کرے گا اور کون محروم و مخذول رہے گا) پس اس مثال میں جس کا یہاں تک جلی قلم سے ترجمہ کیا گیا خدا تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے دل کو شیشہ مصفیٰ سے تشبیہ دی جس میں کسی نوع کی کدورت نہیں۔ **یہ نورِ قلب** ہے۔

پھر آنحضرتؐ کے فہم و ادراک و عقل سلیم اور جمیع اخلاق فاضلہ جبلّی و فطرتی کو ایک لطیف تیل سے تشبیہ دی جس میں بہت سی چمک ہے اور جو ذریعہ روشنی چراغ ہے **یہ نور عقل ہے** کیونکہ منبع و منشاء جمیع لطائفِ اندرونی کا قوت عقلیہ ہے۔

پھر ان تمام نوروں پر ایک نور آسمانی کا جو وحی ہے نازل ہونا بیان فرمایا۔ **یہ نور وحی ہے**۔ اور انوار ثلاثہ مل کر لوگوں کی ہدایت کا موجب ٹھہرے۔

یہی حقانی اصول ہے جو وحی کے بارہ میں قدوس قدیم کی طرف سے قانون قدیم ہے اور اس کی ذات پاک کے مناسب۔

پس اس تمام تحقیقات سے ثابت ہے کہ جب تک نور قلب و نور عقل کسی انسان میں کامل درجہ پر نہ پائے جائیں تب تک وہ نور وحی ہرگز نہیں پاتا اور پہلے اس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کمالِ عقل اور کمالِ نورانیت قلب صرف بعض افراد بشریہ میں ہوتا ہے کل میں نہیں ہوتا۔ اب ان دونوں ثبوتوں کے ملانے سے یہ امر بپایۂ ثبوت پہنچ گیا کہ وحی اور رسالت فقط بعض افراد کاملہ کو ملتی ہے نہ ہر یک فردِ بشر کو۔“

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 191 تا 198 حاشیہ)

(جاری ہے)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت و سوانح پر 79 کے قریب لکھی جانے والی کتب کا تعارف

قسط پنجم

(اے۔ولیم)

اب دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا

36: ذکرِ حبیبؑ

مصنفہ: حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب کل صفحات: 30

تاریخ اشاعت: اکتوبر 1968ء [ایک ایڈیشن دسمبر 1975ء میں تین ہزار کی تعداد میں شائع ہوا ہے]

مطبوعہ: ضیاء الاسلام پریس ربوہ۔

سوانحی تعارف:

حضرت شیخ محمد احمد مظہر صاحب ایڈووکیٹ امیر جماعت احمدیہ لائل پور (فیصل آباد) ابن حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی، آپ کی پیدائش 1896ء کپورتھلہ میں ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے آپ کا نام رکھا۔ اسلامیہ کالج سے بی اے (آنرز) اور فارسی میں آنرز کا امتحان پاس کیا۔ لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا۔ آپ علم لسانیات (فلالوجی) کے عالمی سطح کے ماہر تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے منن الرحمٰن عربی زبان میں تالیف فرمائی جس میں عربی زبان کے الہامی زبان ہونے اور دنیا کی تمام زبانوں کا منبع و ماخذ ہونے کا ذکر فرمایا۔ حضرت شیخ صاحب نے حضورؑ کے بیان فرمودہ اصولوں کی بنیاد پر تحقیق فرمائی اور اس سلسلہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ 1974ء میں قومی اسمبلی میں جو وفد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی قیادت میں پیش ہوا اسکے ایک ممبر آپ بھی تھے۔ چوٹی کے وکلاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا، وقف جدید کے صدر اور نصف صدی کے قریب امیر ضلع فیصل آباد رہے۔ برطانیہ کے ایک

ادارے انٹر نیشنل بائیو گرافیکل سنٹر کیمبرج کی طرف سے انٹر نیشنل مین آف دی ایئر 1992-93ء کا اعزاز دیا گیا۔ مؤرخہ 28 مئی 1993ء کی رات فیصل آباد میں انتقال فرمایا۔ آپؒ فارسی زبان کے اعلیٰ درجہ کے شاعر اور اساتذہ میں سے شمار ہوتے تھے۔

تصنیفات: درد و درماں (شعری مجموعہ)، فردوسی اور محمود کا مقدمہ، الفرقان میں "عربی ام الالسنہ" کے نام سے 20 مضامین، ایک تحقیقی مقالہ Sanskrit traced to ،Arabic the source of all languages Arabic اس کے علاوہ ہزاروں صفحات پر مشتمل قیمتی مقالہ جات کا غیر مطبوعہ بھی موجود ہے۔

تعارف کتاب:

یہ بھی دراصل حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تقریر ہے جو حضرت اقدس علیہ السلام کی سیرت پر جلسہ سالانہ ربوہ پاکستان کے موقعہ پر 1967ء میں کی گئی۔

37: ذکرِ حبیبؑ

مصنفہ: صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایم اے کل صفحات: 40

تاریخ اشاعت: نومبر 2004ء شائع کردہ: احمد اکیڈیمی ربوہ

ناشر: جمال الدین انجم مطبوعہ لاہور آرٹ پریس 15 نیو انارکلی لاہور پاکستان

سوانحی تعارف:

محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پڑپوتے اور حضرت صاحبزادہ مرزا عزیز احمد صاحبؓ کے صاحبزادے ہیں۔ اور حضرت صاحبزادہ مرزا سلطان احمد صاحب آپ کے دادا ہیں۔ آپ نے جماعت کی خدمت میں ایک شاندار دور گزارا، اور مختلف اہم عہدوں پر خدمت انجام دینے کی توفیق پائی جیسے کہ صدر صدر انجمن احمدیہ، ناظر تعلیم، ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی اور ناظر دیوان۔ مزید برآں آپ نے 2012ء سے 2018ء تک صدر مجلس کارپرداز کے عہدے پر بھی خدمت انجام دی۔ صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب کے انتقال کے بعد آپ ناظر اعلیٰ وامیر مقامی مقرر ہوئے۔ آپ نے صدر انصار اللہ پاکستان، صدر خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے طور پر بھی کام کیا۔ آپ سید میر داؤد احمد صاحب کے بعد "ریویو آف ریلیجنز" کے مدیر بھی رہے۔ آپ کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر خدمت انجام دینے کی بھی توفیق ملی۔ آپ 5 فروری 2018ء کو 78 سال کی عمر میں وفات پاگئے۔

تعارف کتاب:

یہ محترم صاحبزادہ صاحب کی وہ تقریر ہے جو آپ نے جرمنی کے جلسہ سالانہ 2002ء کے موقعہ پر فرمائی تھی جسے بعد میں کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح اور سیرت کے متعلق ٹھوس اور تفصیلی معلومات کا ایک وسیع ذخیرہ رکھنے والے بزرگ افراد سلسلہ احمدیہ میں سے ایک نمایاں نام محترم صاحبزادہ صاحب کا ہے اور ان معلومات اور روایات کو بیان کرنے میں حزم و احتیاط کا پہلو وہ وصف ہے جو آپ کو اور بھی منفرد اور ممتاز مقام دئے ہوئے ہے۔ اس کتاب میں یا یوں کہیئے کہ خطاب میں سیرت حضرت اقدسؑ کے واقعات بیان کرتے ہوئے ربط اور تسلسل یوں برقرار رکھا ہے کہ کوئی واقعہ دوسرے سے جدا نہیں ہو پاتا۔ پڑھتے ہوئے یوں لگتا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی کے مناظر ایک متحرک فلم کی طرح قاری کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتے چلے جا رہے ہیں۔ واقعات کے موتیوں کو ایک مشاق اور ماہر جوہری کی طرح لڑی میں پرو دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں حضرت اقدسؑ کی سیرت کے کچھ پہلوؤں کا ذکر ہے جیسے آپؑ کی محبت الٰہی، عشقِ رسول ﷺ، والدین سے محبت واحترام۔

اقرباء سے حسن معاملہ کے عنوان کے تحت جو بیان کیا گیا ہے اس میں حضرت اقدسؑ کی سیرت کے عظیم الشان پہلو کا ذکر کرتے ہوئے آپ بیان کرتے ہیں:

”حضورؑ کی بھاوجہ صاحبہ جماعت میں تائی کے طور پر جانی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں حضورؑ کو الہام ہوا تھا کہ ”تائی آئی“ اور حضورؑ کا یہ الہام حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ جن کی آپ تائی تھیں، کے زمانے میں پوری شان سے پورا ہوا کہ حضورؑ کی بھاوجہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جماعت میں شامل ہوئیں اور اس طرح ”تائی والے کے زمانے میں وہ تائی آئی“ حضورؑ کی والدہ کی وفات کے بعد گھر کا انتظام ان کے سپرد ہوا کہ وہ ہی بڑی بہو تھیں اور چونکہ وہ بھی گھرانے کے دیگر افراد کی طرح سمجھتی تھیں کہ حضورؑ دنیاوی امور کی طرف توجہ نہیں دیتے اس لئے چھوٹی چھوٹی بات میں آپؑ کو تکلیف پہنچاتی رہیں۔ لیکن حضورؑ کے والد صاحب چونکہ حیات تھے اس لئے اُن کی زیادہ نہ چلتی تھی۔ مگر 1876ء میں والد صاحب کی وفات کے بعد تو وہ گھر کی مختارِ کل ہو گئیں اور ہر طرح کی زیادتی حضورؑ پر روا رکھنے لگیں۔ اور چونکہ انکے شوہر اور حضورؑ کے بڑے بھائی قادیان سے باہر اپنی ملازمت پر ہوتے تھے اس لئے ان کو اس کے لئے ہر طرح کے مواقع میسر تھے۔ چنانچہ حضورؑ کی سوانح میں اس کا وضاحت سے تذکرہ ملتا ہے کہ حضورؑ کا کھانا بھجوانے میں بھی وہ خسّت سے کام لیتی تھیں اور بچا کھچا اور روکھا سوکھا کھانا حضورؑ کے لئے آتا تھا۔ یہ صورت حال ایک لمبا عرصہ جاری

رہی حتی کہ 1884ء میں حضور علیہ السلام کی شادی حضرت اماں جانؓ سے ہوگئی۔ اس تمام عرصہ میں حضورؑ اگر چاہتے تو اپنی جائیداد علیحدہ کرواکے اپنے لئے خصوصی انتظام فرماسکتے تھے۔ لیکن حضورؑ نے بڑے بھائی اور بھاوج کے احترام میں جائیداد کی علیحدگی کا کبھی سوال نہ اٹھایا اور ہر قسم کی تکلیف خود اپنی ذات پر برداشت کرتے رہے۔ 1883ء میں مرزا غلام قادر صاحب کی وفات کے بعد حضورؑ کی یہی بھاوج صاحبہ حضورؑ کے پاس بہت روئیں۔ اور چونکہ انکے ہاں پیدا ہونے والے دونوں بچے بچپن میں فوت ہو چکے تھے انہوں نے حضورؑ سے درخواست کی کہ مرزا سلطان احمد مجھے دے دیں میں اسے بیٹا بنا کر اپنے پاس رکھوں گی۔ حضورؑ نے اس بات پر آمادگی کا اظہار فرمایا۔ لیکن حضرت مرزا سلطان احمد صاحب اپنی تائی کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے اور اس سلوک کے بھی گواہ تھے جو تائی حضورؑ کے ساتھ روا رکھتی تھیں اس لئے آپ نے حضورؑ کے پاس آکر اس پر اپنی شدید ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور روایت کے مطابق آپ نے حضور سے عرض کیا: ”ابا جی! تسی اُستریاں دی مالا کیوں میرے گل پارہے او“ اپنے بیٹے کے اس اظہار ناپسندیدگی اور سخت احتجاج کے باوجود حضورؑ نے اس رنگ میں ان کو سمجھایا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس پر راضی ہوگئے بلکہ ساری زندگی تائی کا ایسا خیال رکھا کہ کم ہی کوئی حقیقی بیٹا اپنی ماں کا خیال رکھ سکتا ہے۔“

(ذکر حبیبؑ از صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ 19-18)

پھر دوسرے سیرت کے پہلو بیان ہوئے ہیں جیسے بیوی سے مثالی سلوک، بچوں سے شفقت، خادموں سے سلوک، غیرت دینی، مریدوں سے شفقت، حضرت مسیح موعودؑ غیروں کی نظر میں۔ اس کتاب یعنی خطاب کا ایک بہت ہی اچھوتا پہلو وہ عنوان ہے کہ عام سیرت نگاروں کا بہت کم دھیان اس طرف جاتا ہے اور وہ ہے ”حضور علیہ السلام کے متعلق اپنوں کی رائے“ کتاب کے آخری صفحات 34 تا 40 تک اس کا بیان ہے۔

38: سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مصنفہ: مولانا غلام احمد فرخ صاحب　　صفحات: 260

اشاعت: 21 جون 1956ء

پبلشر: صوفی محمد رفیع صاحب　　مطبع: رضوی پریس سکھر سندھ

سوانحی تعارف:

آپ موضع ”تھہ غلام نبی“ کے رہنے والے تھے۔ یہ گاؤں قادیان سے چند میل کے فاصلے پر آباد تھا۔ آپ کا گاؤں ان بارہ افغان (ککے زئی) دیہاتوں میں سے ایک تھا جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تحریروں میں

کیا ہے۔ آپ پیدائشی احمدی تھے اور آپ کے والد حضرت میاں غلام قادر صاحبؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے۔ آپ کو پاکستان میں بالخصوص سندھ اور پھر بیرون پاکستان جزائر فجی میں دعوت الیٰ اللہ کی توفیق ملی۔ دس سال مربی ضلع حیدرآباد رہے۔ آپ کی وفات 17 اپریل 1981ء کو ہوئی۔

تعارف کتاب:

بنیادی طور پر یہ کتاب بھی سوانح پر مشتمل ہے جس میں حضرت اقدس علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر وفات تک کے سلسلہ کے اہم واقعات کو بیان کرتے ہوئے آخر پر چالیس کے قریب صفحات سیرت کے بیان پر مشتمل ہیں۔ یہ کتاب سندھی زبان میں لکھی گئی ہے۔

39: حیاتِ طیبہ

مصنفہ: شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگر مل　　　　کل صفحات: 379

سوانحی تعارف:

محترم شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگر مل 15 اگست 1909ء کو موضع پٹھاناں تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں ایک ہندو کھتری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے سوداگر مل نام تجویز کیا...... پرائمری تعلیم اپنے گاؤں اور مڈل سکول لالیاں ضلع جھنگ سے مڈل پاس کیا۔ 1924ء میں قادیان گئے اور پاکیزہ نمونے دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی۔ بیعت کے بعد آپ کا نام عبدالقادر رکھ دیا گیا۔ آپ نے مدرسہ احمدیہ میں داخلہ لے لیا اور 1931ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور 1934ء میں تبلیغی کام کا آغاز کر دیا۔ آپ کراچی، لائل پور (موجودہ نام فیصل آباد)، سرگودھا، شیخوپورہ اور لاہور میں بطور مرکزی مربی کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ نظارت دعوت و تبلیغ میں نشر و اشاعت کے انچارج بھی رہے۔ آپ کی وفات 18 نومبر 1966ء کو ہوئی۔ مسجد مبارک میں مکرم چوہدری مبارک مصلح الدین صاحب نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہوئی۔

تصنیفات: حیات طیبہ، حیاتِ نور، لاہور تاریخ احمدیت، حیات بشیرؓ

تعارف کتاب:

یہ کتاب جیسا کہ اس کے پیش لفظ بعنوان "عرض حال" سے معلوم ہوتا ہے کہ مئی 1959ء میں مصنف نے لکھنی شروع کی اور بہت ہی تھوڑے عرصہ میں یعنی (5 اگست 1959ء) تقریباً تین ماہ میں مکمل کی۔ اس کے کل سات ابواب ہیں۔ کتاب اپنے اندر اختصار لیکن جامعیت لئے ہوئے ہے۔ مصنف نے اس سے قبل 1938ء میں بھی حضرت

اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت پر ایک مسودہ تیار کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اسے بالاستیعاب ملاحظہ بھی فرمایا اور اصلاح بھی فرمائی۔ لیکن وہ مسودہ جیسا کہ مصنف نے کتاب کے ”عرض حال“ میں اس کا ذکر فرمایا ہے کہ ہجرت کے موقعہ پر قادیان میں ہی ضائع ہو گیا۔

بہت حد تک امکان ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اصلاح ور ہنمائی کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ نیا مسودہ تیار کیا گیا ہو گا۔ اس کتاب میں حوالہ جات بھی ساتھ ہی ہر صفحہ پر موجود ہیں۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی بابرکت اور وقیع رائے بھی اس میں شامل ہے جس میں آپؓ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”غالباً ایک جلد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس قدر جامع اور مرتب سوانح عمری اس وقت تک نہیں لکھی گئی۔ واقعات کی حتی المقدور تحقیق و تدقیق اور ترتیب اور موقعہ بموقعہ مناسب تبصرہ جات نے اس کتاب کی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے اور ضروری فوٹو بھی شامل ہیں......“

(خاکسار مرزا بشیر احمد ربوہ 12 جنوری 1960ء)

اور اس کتاب کی ایک اور امتیازی حیثیت یہ بھی ہے کہ اس کتاب کا دیباچہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ ایڈیشنل ناظر اصلاح و ارشاد ربوہ کا رقم فرمودہ ہے۔ اس میں آپؓ کتاب کی اہمیت وافادیت کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”جماعت اور جماعت سے باہر کے حلقوں میں بھی ایک لمبے عرصہ سے یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ بانی جماعت احمدیہ... کے حالات وسوانح پر اردو زبان میں کوئی مبسوط تالیف ہو... سو الحمد للہ کہ مؤلف کتاب ہذا نے اپنی مخلصانہ محنت اور کوشش سے بہت حد تک اس اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَآء...“ (خاکسار مرزا شریف احمد 59-12-15)

اور خاکسار عرض کرتا ہے کہ سیرت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ واحد کتاب ہو گی کہ جس پر حضرت اقدسؑ کے دو صاحبزادوں کی بابرکت رائے بطور دیباچہ کے درج ہو۔ حضرت اقدسؑ کی سیرت وسوانح پر لکھی جانے والی کتب میں سے یہ ایک انفرادی اور امتیازی شان اس کتاب کو حاصل ہے۔

اس کتاب کے سات باب ہیں۔ پہلا باب پیدائش سے لے کر ارادہ تصنیف براہین احمدیہ تک ہے جو 43 صفحات پر مشتمل ہے۔ اور دوسرا باب تصنیف براہین احمدیہ سے لے کر پیشگوئی درباره مرزا احمد بیگ (1888ء) تک کے 45 صفحات پر مشتمل ہے۔

فہرست مضامین میں جو ابواب کی تقسیم ہے اس کے مطابق دوسرا باب بعنوان ”تصنیف براہین احمدیہ سے لے کر بیعت اولیٰ تک“ ہے۔ اور یہی عنوان کتاب کے صفحہ 44 پر بھی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاتب کی غلطی

ہو گی کیونکہ دوسرا باب پیشگوئی دربارہ مرزا احمد بیگ وغیرہ 1888ء پر ختم ہو جاتا ہے اور تیسرا باب اعلان بیعت سے توسیع مسجد مبارک تک کے 107 صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا چوتھا باب از مقدمہ اقدام قتل تا ظہور طاعون یعنی اگست 1897ء تا ستمبر 1901ء کے 52 صفحات پر مشتمل ہے۔ پانچواں باب نومبر 1901ء سے نومبر 1905ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اور چھٹا باب از الہامات قربِ وصال تا وصال حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام 60 صفحات پر مشتمل ہے اور کتاب کا ساتواں اور آخری باب شمائل حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عنوان پر مبنی ہے جو دراصل حضرت اقدسؑ کے ایک عاشق صادق حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ کا رقم فرمودہ ہے۔ اس کتاب کے شروع میں یہ بھی ذکر ہے کہ کچھ فوٹو بھی شامل اشاعت ہیں۔ البتہ موجودہ ایڈیشن میں کوئی تصویر شامل کتاب نہیں ہے۔

40: سوانح حضرت مسیح موعود علیہ السلام

تالیف: مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت — کل صفحات: 31

ناشران: جمال الدین انجم، اظہر احمد چوہدری

طباعت: لاہور آرٹ پریس 15 انارکلی لاہور، شائع کردہ احمد اکیڈمی ربوہ۔

سوانحی تعارف:

(ولادت: 3 مئی 1927ء پنڈی بھٹیاں، وفات: اگست 2009ء)

مولانا دوست محمد شاہد صاحب نے 1935ء میں مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخلہ لیا، جامعۃ المبشرین سے شاہد کی ڈگری حاصل کی، 1946ء میں پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا، آپ ممبر مجلس افتاء، ممبر ریسرچ سیل، ماہنامہ خالد کے مدیر بھی رہے اور 1974ء میں قومی اسمبلی پاکستان میں جانے والے وفد کے ممبر بھی رہے۔ 1982ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کو "حوالوں کے بادشاہ" کا خطاب دیا۔ آپ اسیر راہِ مولیٰ بھی رہے۔ 1992ء میں آپ کو کیمبرج کے مشہور بین الاقوامی ادارہ انٹرنیشنل بائیوگرافیکل سنٹر نے "مین آف دی ائیر-93 1992ء" کے اعزاز سے نوازا۔ آپ 26 اگست 2009ء کو وفات پا گئے۔

تصانیف: تاریخ احمدیت کی 20 جلدوں کے علاوہ تصانیف کی تعداد 43 ہے۔ مثلاً احمدیت کی امتیازی شان، تحریک پاکستان اور جماعت احمدیہ، قیام پاکستان کا روحانی پس منظر، تفسیر صغیر ترجمہ کے کمالات، جماعت اسلامی پر تبصرہ، دلچسپ علمی واقعات و مشاہدات، مودودی شہ پارے، شان خاتم الانبیاء، شان قرآن مجید وغیرہ۔

تعارف کتاب:

اس کے ٹائٹل پر حضرت اقدس علیہ السلام کی ایک تصویر ہے۔ اور چھوٹے سے اس کتابچے میں آپؑ کی

سوانح اس طرح درج کی گئی ہے کہ آپؓ کی زندگی کے چند اہم ترین واقعات کا ذکر اختصار کے ساتھ کر دیا گیا ہے۔

41: تاریخِ احمدیت

i۔ تاریخِ احمدیت جلد اول

مؤلفہ: مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت

سنِ اشاعت: 1958ء شائع کردہ: ادارۃ المصنفین ربوہ

تعارف کتاب:

تاریخ احمدیت کی تدوین کے بارہ میں گو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اپنی آغاز خلافت (1914ء) میں ہی اظہار فرما چکے تھے۔ مگر یہ سال 1953ء تھا جس میں حضرت مصلح موعودؓ کی تحریکِ خاص سے سلسلہ احمدیہ کی تاریخ کی تدوین و اشاعت کی مرکزی سطح پر بنیاد پڑی۔ دراصل اس کا محرک حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کا مؤرخہ 24 مارچ 1953ء کا ایک مکتوب تھا جس میں حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں آپؓ نے یہ تجویز عرض کی کہ 1953ء سے متعلق کوائف ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہونے چاہئیں۔ جس پر حضرت مصلح موعودؓ نے تحریر فرمایا:

”اچھی بات ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کی مکمل تاریخ لکھی جائے۔ میرے نزدیک مہاشہ فضل حسین...... کو بلوا کر اس کام پر لگا دیا جائے یا دوست محمد بھی یہ کام کر سکتے ہیں۔“ (تاریخِ احمدیت ج 16 ص 43 ایڈیشن 2007ء)

چنانچہ حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے مکتوب کے قریباً سوا ماہ بعد مکرم مہاشہ فضل حسین صاحب کو تاریخِ احمدیت کا مواد اکٹھا کرنے کے لئے نامزد فرمایا، جنہوں نے 30 اپریل 1953ء سے لیکر 20 مئی 1955ء تک یہ خدمت انجام دی اور حضورؓ کی ہدایت کی روشنی میں سب سے پہلے فسادات 1953ء کے واقعات جمع کیے گئے۔

22 مئی 1955ء کو حضرت مصلح موعودؓ (جبکہ آپؓ زیورچ، سوئٹزرلینڈ میں قیام فرما تھے) نے ایک مکتوب (جو مؤرخہ 29 مئی 1955ء کو ربوہ میں موصول ہوا) تحریر فرمایا اور مکرم دوست محمد شاہد صاحب کو اس کام کے لیے مقرر فرمایا۔

حضورؓ نے 28 نومبر 1957ء میں ”ادارۃ المصنفین“ کے نام سے ایک مرکزی ادارہ کی بنیاد رکھی اور اس کے بنیادی مقاصد میں تاریخ احمدیت کی اشاعت کو بھی شامل فرمایا۔ اور مکرم ابوالمنیر نورالحق صاحب کو اس کے مینجنگ ڈائریکٹر کے فرائض سپرد فرمائے۔ (تاریخِ احمدیت ج 18 ص 514-513 ایڈیشن 2007ء)

اس ادارہ کے وجود میں آتے ہی سب سے پہلے ملک فضل حسین صاحب کی کتاب ”فسادات 1953ء کا پس

منظر" طبع ہوئی۔ اور تاریخ احمدیت کی ابتدائی پانچ جلدیں بھی خلافتِ ثانیہ کے بابرکت عہد میں شائع ہوئیں۔ تاریخ احمدیت کی پہلی تین جلدوں میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے حالات کو مکمل کر دیا گیا۔ یہ پہلی جلد 1958ء میں شائع ہوئی۔ (الفضل مؤرخہ 25 جنوری 1959ء جلد 48/13 نمبر 22 ص 3، دیباچہ تاریخ احمدیت ج 1) یہ جلد حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی ولادت مبارک (1835ء) سے لیکر 1880ء تک کے حالات پر مشتمل ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے ارشادِ مبارک پر تاریخ احمدیت کی جلدوں کو سیٹ کی صورت میں شائع کیا گیا۔ اور ادارۃ المصنفین کی طرف سے شائع شدہ ان تینوں جلدوں کو دو جلدوں کی شکل میں نظارت اشاعت ربوہ نے شائع کیا۔

ii۔ تاریخِ احمدیت جلد دوم

مرتبہ: مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت

سنِ اشاعت: 1960ء　　　شائع کردہ: ادارۃ المصنفین ربوہ

تعارف کتاب:

تاریخ احمدیت کی اس جلد میں 1881ء سے لیکر 1897ء کے حالات کا ذکر ہے۔

iii۔ تاریخِ احمدیت جلد سوم

مرتبہ: مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت　　　صفحات: 616

سنِ اشاعت: 1962ء　　　شائع کردہ: ادارۃ المصنفین ربوہ

تعارف کتاب:

تاریخ احمدیت کی یہ جلد 1898ء سے قیامِ خلافت اولیٰ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔

42: سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

مصنفہ: مکرم مولانا شریف احمد امینی صاحب　　　صفحات: 85

تاریخ اشاعت بار اول: 1978ء

ناشر: دعوت و تبلیغ صدر انجمن احمدیہ قادیان بھارت

سوانحی تعارف:

مولانا شریف احمد امینی صاحب کی پیدائش اندازاً 1912ء میں ہوئی۔ جماعت احمدیہ ہندوستان کے مبلغ رہے اور اس حوالہ سے مدراس، بمبئی اور کلکتہ وغیرہ میں تبلیغ کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مدرسہ احمدیہ میں تدریس

کے شعبہ سے بھی منسلک رہے۔

ایڈیشنل ناظر دعوت و تبلیغ کے علاوہ دیگر جماعتی خدمات کی توفیق پائی۔ آپ کی وفات 22 فروری 1990ء میں ہوئی اور بہشتی مقبرہ قادیان میں تدفین عمل میں آئی۔

تعارف کتاب:

یہ کتاب دراصل مولانا صاحب کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے بحیثیت ناظر دعوت و تبلیغ قادیان کے جلسہ سالانہ دسمبر 1977ء کے موقعہ پر کی۔

کتاب کے شروع میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصویر شامل اشاعت کی گئی ہے۔ کتاب کے آغاز میں آپ کی پاکیزہ سیرت کے بارہ میں مختلف اقتباسات درج کئے گئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مخالفین بھی آپ کی پاکیزہ زندگی کے گواہ تھے اور حضورؑ نے خود اس کو بطور تحدی پیش فرمایا ہے۔ کتاب کے صفحہ 6 پر سیرت اقدسؑ کے درج ذیل دس نمایاں پہلو درج کئے گئے ہیں۔ جن کے بارہ میں اس کتاب میں ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے اندر ہمدردیٔ اسلام اور اشاعت اسلام کا بے پناہ جذبہ، اپنے دعویٰ پر مکمل یقین و اعتماد، اللہ تعالیٰ سے کامل محبت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نظیر عشق، قرآن مجید سے خاص تعلق اور عشق، دوستوں سے کریمانہ سلوک اور مخالفین سے عفو کا سلوک، اکرام ضیف، مخلوق خدا سے ہمدردی، غیر معمولی قوت قدسی اور مقناطیسی کشش، حضورؑ کا اپنے سلسلہ کی ترقی کی بشارات سنا کر ایمانوں کو بڑھانا۔

اس کتاب میں سے ایک اقتباس درج کرنا باعث ازدیاد ایمان ہوگا اور معلوم ہوگا کہ حضرت اقدسؑ کو اپنے خدا سے کتنا پیار تھا اور یہ پیار یک طرفہ نہ تھا بلکہ وہ خدا بھی اپنے اس بندے سے کس قدر پیار کا اظہار فرماتا تھا۔ حضرت اقدسؑ لوگوں کی مخالفت اور اپنے پیارے خدا کی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”او میرے مولا! میرے پیارے مالک، میرے محبوب، میرے معشوق خدا دنیا کہتی ہے تو کافر ہے۔ مگر کیا تجھ سے پیارا مجھے کوئی اور مل سکتا ہے۔ اگر ہو تو اس کی خاطر تجھے چھوڑ دوں۔ لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ جب لوگ دنیا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ جب میرے دوستوں اور دشمنوں کو علم تک نہیں ہوتا کہ میں کس حالت میں ہوں اس وقت تُو مجھے جگاتا ہے۔ اور محبت سے، پیار سے فرماتا ہے کہ غم نہ کھا، میں تیرے ساتھ ہوں۔ تو پھر اے مولیٰ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس احسان کے ہوتے ہوئے پھر بھی میں تجھے چھوڑ دوں؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔“

(اخبار بدر 11 جنوری 1912ء سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام از مولانا شریف احمد امینی صاحب صفحہ 24-23)

43: سِنین تاریخ احمدی

مؤلفہ: احمد حسین احمدی فرید آبادی　　　　پرنٹر: شیخ عبدالرحمٰن قادیانی

مطبع: ضیاء الاسلام پریس قادیان جنوری 1920ء

تعارف کتاب:

جیسا کہ عنوان کتاب سے ظاہر ہے یہ بنیادی طور پر سوانح ہے اور وہ بھی صرف ضروری واقعات کو لئے ہوئے۔ کتاب کے ٹائٹل پیج پر ہی لکھا ہوا ہے:

”سِنین تاریخ احمدی۔ جس میں احمد آخر زمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے لے کر حال تک کے ضروری واقعات سنہ وار درج کئے گئے ہیں۔“

یہ کتاب صرف 12 صفحات کی ہے اور 1908ء تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ کچھ مزید بھی لکھا پڑا تھا بلکہ پرنٹ بھی ہو چکا تھا جیسا کہ کتاب کے صفحہ 10 کے حاشیہ پر مصنف کا نوٹ ہے لیکن وہ منظر عام پر اس وقت تک نہیں آسکا۔

اسلام کا پیش کردہ تصورِ خدا

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کی روشنی میں

”صفت خالقیت“

(م۔الف۔ قاہر)

اسلام نے جو تصور خدا پیش کیا ہے اس میں خدا تعالیٰ کی صفات کا علم بھی اسی خدا نے دیا ہے ان میں سے ایک صفت خدا کی صفت ”خلق“ ہے۔ یہ وہی صفت ہے جو خدا تعالیٰ کی چہرہ نمائی کا سب سے بڑا مظہر، اس کی تخلیق اور اس کی صناعی کو دیکھ کر انسانی عقل اس کا انکار نہیں کر سکتی۔ زیر نظر مضمون میں ہم اسی عظیم الشان صفت کے حوالہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیش کردہ تشریح سے اس صفت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے لیکن اس سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ عربی میں اس لفظ کے کیا معنی ہیں۔

لغوی تحقیق:

عربی کی تین معروف لغات سے خلق کے معنی درج ذیل ہیں۔

1)لسان العرب میں ”خلق“ کے معنی ہیں

الخَلْقُ: التقديرُ. وخَلَقَ اللهُ الخَلْقَ: أَوْجَدَهُمْ بعدَ عَدَمٍ. والخَلْقُ: اسمٌ لجميع المخلوقات. والخُلُقُ: السَّجِيَّةُ والطبعُ.

ترجمہ: خلق کے معنی ہیں: اندازہ لگانا اور پیمائش کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا: یعنی انہیں عدم کے بعد وجود میں لایا۔ ”خَلق“ تمام مخلوقات کے لیے بطور اسم بھی استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ ”خُلق“ کا مطلب ہے عادت، طبیعت اور اخلاق۔

2)عربی کی دوسری معروف لغت تاج العروس میں خلق کے معنی ہیں

الخَلْقُ: التقديرُ، وخَلَقَ الشيءَ: قَدَّرَهُ. والخَلْقُ: الإيجادُ على تقديرٍ مُستقيمٍ.

ترجمہ: خلق کے معنی ہیں: اندازہ لگانا۔ اور کسی چیز کو ”خلق“ کیا یعنی اس کا اندازہ اور پیمائش کی۔ نیز ”خلق“ کا مطلب یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو درست اور حکیمانہ اندازے کے ساتھ وجود میں لایا جائے۔

3) پھر اقرب الموارد میں خلق کے معنی کچھ یوں بیان ہوئے ہیں

خَلَقَ الشیءَ: أَوۡجَدَہٗ علی غیر مثالٍ سابقٍ. والخَلۡقُ: الإبداعُ والاختراعُ.

ترجمہ: کسی چیز کو پیدا کیا یعنی اسے بغیر کسی سابقہ مثال کے وجود میں لایا۔ اور ''خلق'' کا مطلب نئی چیز ایجاد کرنا اور اختراع کرنا بھی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیان فرمودہ توضیح:

حضرت مسیح موعودؑ اسلام میں تصور خدا کی صفتِ خالقیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**خدا آسمان وزمین کا نور ہے۔** یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے خواہ وہ ارواح میں ہے خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے خواہ خارجی اُسی کے فیض کا عطیہ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت رب العالمین کا فیض عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے اور کوئی اس کے فیض سے خالی نہیں۔ **وہی تمام فیوض کا مبدء ہے اور تمام انوار کا علّت العلل اور تمام رحمتوں کا سر چشمہ ہے۔ اُس کی ہستی حقیقی تمام عالم کی قیوم اور تمام زیر وزبر کی پناہ ہے۔ وہی ہے جس نے ہر یک چیز کو ظلمت خانہ عدم سے باہر نکالا اور خلعت وجود بخشا۔** بجز اس کے کوئی ایسا وجود نہیں ہے کہ جو فی حد ذاتہ واجب اور قدیم ہو۔ یا اس سے مستفیض نہ ہو بلکہ خاک اور افلاک اور انسان اور حیوان اور حجر اور شجر اور روح اور جسم سب اُسی کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔''

(براہین احمدیہ ہر چہار حصص، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 191، 192 حاشیہ)

آپؑ مزید فرماتے ہیں:

''اس قادر اور سچے اور کامل خدا کو ہماری روح اور ہمارا ذرہ ذرہ وجود کا سجدہ کرتا ہے جس کے ہاتھ سے ہر ایک روح اور ہر ایک ذرہ مخلوقات کا مع اپنی تمام قوی کے ظہور پذیر ہوا اور جس کے وجود سے ہر ایک وجود قائم ہے۔ اور کوئی چیز نہ اس کے علم سے باہر ہے اور نہ اس کے تصرف سے نہ اس کی خَلق سے۔۔۔۔۔ **اس کی قدرت کیا ہی عظمت اپنے اندر رکھتی ہے جس کے بغیر کسی چیز نے نقشِ وجود نہیں پکڑا۔** اور جس کے سہارے کے بغیر کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ وہ ہمارا سچا خدا بے شمار برکتوں والا ہے اور بے شمار قدرتوں والا اور بے شمار حسن والا اور بے شمار احسان والا، اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔'' (نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 363)

حضورؑ پھر فرماتے ہیں کہ:

''اے سننے والو سنو!! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ

بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا اور بولتا بھی ہے۔ اُس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔ وہ وہی واحد لاشریک ہے جس کا کوئی بیٹا نہیں اور جس کی کوئی بیوی نہیں۔ وہ وہی بے مثل ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور جس کی طرح کوئی فرد کسی خاص صفت سے مخصوص نہیں اور جس کا کوئی ہمتا نہیں جس کا کوئی ہم صفات نہیں اور جس کی کوئی طاقت کم نہیں۔ وہ قریب ہے باوجود دور ہونے کے اور دُور ہے باوجود نزدیک ہونے کے۔ وہ تمثل کے طور پر اہل کشف پر اپنے تئیں ظاہر کر سکتا ہے مگر اس کے لئے نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی شکل ہے اور وہ سب سے اوپر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ اس کے نیچے کوئی اور بھی ہے اور وہ عرش پر ہے مگر نہیں کہہ سکتے کہ زمین پر نہیں۔ **وہ مجمع ہے تمام صفات کاملہ کا اور مظہر ہے تمام محامد حقہ کا اور سرچشمہ ہے تمام خوبیوں کا اور جامع ہے تمام طاقتوں کا اور مبدء ہے تمام فیضوں کا اور مرجع ہے ہر ایک شے کا۔** اور مالک ہے ہر ایک ملک کا اور متصف ہے ہر ایک کمال سے اور منزہ ہے ہر ایک عیب اور ضعف سے۔ اور مخصوص ہے اس امر میں کہ زمین والے اور آسمان والے اسی کی عبادت کریں اور اس کے آگے کوئی بات بھی ان ہونی نہیں۔ اور **تمام روح اور ان کی طاقتیں اور تمام ذرات اور ان کی طاقتیں اُسی کی پیدائش ہیں۔** اس کے بغیر کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی طاقتوں اور اپنی قدرتوں اور اپنے نشانوں سے اپنے تئیں آپ ظاہر کرتا ہے اور اس کو اُسی کے ذریعہ سے ہم پاسکتے ہیں۔ اور وہ راستبازوں پر ہمیشہ اپنا وجود ظاہر کرتا رہتا ہے اور اپنی قدرتیں ان کو دکھلاتا ہے۔ اسی سے وہ شناخت کیا جاتا اور اُسی سے اس کی پسندیدہ راہ شناخت کی جاتی ہے۔

وہ دیکھتا ہے بغیر جسمانی آنکھوں کے۔ اور سنتا ہے بغیر جسمانی کانوں کے اور بولتا ہے بغیر جسمانی زبان کے۔ اسی طرح نیستی سے ہستی کرنا اس کا کام ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ خواب کے نظارہ میں بغیر کسی مادہ کے ایک عالم پیدا کر دیتا ہے اور ہر ایک فانی اور معدوم کو موجود دکھلا دیتا ہے۔ پس اسی طرح اس کی تمام قدرتیں ہیں۔ نادان ہے وہ جو اس کی قدرتوں سے انکار کرے۔ اندھا ہے وہ جو اس کی عمیق طاقتوں سے بے خبر ہے۔ وہ سب کچھ کرتا ہے اور کر سکتا ہے بغیر ان امور کے جو اس کی شان کے مخالف ہیں یا اس کے مواعید کے بر خلاف ہیں۔ اور وہ واحد ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور افعال میں اور قدرتوں میں اور اس تک پہنچنے کے لئے تمام دروازے بند ہیں **مگر ایک دروازہ جو فرقان مجید نے کھولا ہے۔**" (رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 309 تا 311)

اسی ضمن میں حضور فرماتے ہیں کہ

"انسانی فطرت اس بات کے ماننے کے لئے مجبور ہے کہ **اس تمام عالم ارضی اور سماوی میں ایک ایسی ذات بھی ہے کہ جب سب پر فنا اور تغیر وارد ہو اس پر تغیر اور فنا وارد نہیں ہوگی۔ وہ اپنے حال پر باقی رہتا ہے وہی خدا ہے** لیکن

چونکہ زمین پر گناہ اور معصیت اور ناپاک کام بھی ظاہر ہوتے ہیں اور خدا کو صرف زمین تک محدود رکھنے والے آخر کار بت پرست اور مخلوق پرست ہو جاتے ہیں جیسا کہ تمام ہندو ہوگئے۔ اس لئے قرآن شریف میں ایک طرف تو یہ بیان کیا کہ خدا کا اپنی مخلوق سے شدید تعلق ہے اور وہ ہر ایک جان کی جان ہے اور ہر ایک ہستی اُسی کے سہارے سے ہے۔ پھر دوسری طرف اس غلطی سے محفوظ رکھنے کے لئے کہ تا اس کے تعلق سے جو انسان کے ساتھ ہے کوئی شخص انسان کو اس کا عین ہی نہ سمجھ بیٹھے جیسا کہ ویدانت والے سمجھتے ہیں یہ بھی فرمادیا کہ وہ سب سے برتر اور تمام مخلوقات سے وراء الوراء مقام پر ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں عرش کہتے ہیں۔ اور عرش کوئی مخلوق چیز نہیں ہے صرف وراء الوراء مرتبہ کا نام ہے نہ یہ کہ کوئی ایسا تخت ہے جس پر خدا تعالیٰ کو انسان کی طرح بیٹھا ہوا تصور کیا جائے بلکہ جو مخلوق سے بہت دور اور تنزہ اور تقدس کا مقام ہے اس کو عرش کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ سب کے ساتھ خالقیت اور مخلوقیت کا تعلق قائم کر کے پھر عرش پر قائم ہو گیا یعنی تمام تعلقات کے بعد الگ کا الگ رہا اور مخلوق کے ساتھ مخلوط نہیں ہوا۔

<u>**غرض خدا کا انسان کے ساتھ ہونا اور ہر ایک چیز پر محیط ہونا یہ خدا کی تشبیہی صفت ہے**</u>۔ اور خدا نے قرآن شریف میں اس لئے اس صفت کا ذکر کیا ہے کہ تا وہ انسان پر اپنا قرب ثابت کرے اور خدا کا تمام مخلوقات سے وراء الوراء ہونا اور سب سے برتر اور اعلیٰ اور دور تر ہونا اور اس تنزہ اور تقدس کے مقام پر ہونا جو مخلوقیت سے دور ہے جو عرش کے نام سے پکارا جاتا ہے اس صفت کا نام تنزیہی صفت ہے اور خدا نے قرآن شریف میں اس لئے اس صفت کا ذکر کیا تا وہ اس سے اپنی توحید اور اپنا وحدہ لاشریک ہونا اور مخلوق کی صفات سے اپنی ذات کا منزہ ہونا ثابت کرے۔ دوسری قوموں نے خدا تعالیٰ کی ذات کی نسبت یا تو تنزیہی صفت اختیار کی ہے یعنی نرگن کے نام سے پکارا ہے اور یا اس کو سرگن مان کر ایسی تشبیہ قرار دی ہے کہ گویا وہ عین مخلوقات ہے اور ان دونوں صفات کو جمع نہیں کیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں ان دونوں صفات کے آئینہ میں اپنا چہرہ دکھلایا ہے اور یہی کمال توحید ہے۔“

(چشمہ معرفت، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 98، 99)

حضور ایک وسوسہ کا ازالہ یوں فرماتے ہیں:

”شاید کسی دل کو اس جگہ یہ وسوسہ پکڑے کہ اگر کسی شے پر پورا پورا علمی احاطہ ہونے سے وہ شے مخلوق ہو جاتی ہے تو علم حق سبحانہ تعالیٰ جو اپنی ذات سے متعلق ہے وہ بھی بہر حال کامل ہے تو کیا خدائے تعالیٰ اپنی ذات کا آپ خالق ہے یا اپنی مثل بنانے پر قادر ہے؟ اس میں اعتراض کے پہلے ٹکڑے کا تو یہ جواب ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ اپنے وجود کا آپ خالق ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ اپنے وجود سے پہلے موجود ہو۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی شے اپنے وجود سے

پہلے موجود نہیں ہو سکتی۔ ورنہ تَقَدُّمُ الشَّیْءِ عَلٰی نَفْسِہٖ لازم آتا ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ جو اپنی ذات کا علم کامل رکھتا ہے تو اس جگہ عالم اور علم اور معلوم ایک ہی شے ہے جس میں علیحدگی اور دوئی کی گنجائش نہیں تو پھر اس جگہ وہ الگ چیز کون سی ہے جس کو مخلوق ٹھہرایا جائے سو ذاتی علم خدائے تعالیٰ کا جو اس کی ذات سے تعلق رکھتا ہے دوسری چیزوں پر اس کا قیاس نہیں کر سکتے۔ غرض علم ذاتی باری تعالیٰ میں جو اس کی ذات سے متعلق ہے عالم اپنے معلوم سے کوئی الگ چیز نہیں ہے تا ایک خالق اور ایک مخلوق قرار دیا جاوے۔ ہاں اس کے وجود میں بجائے مخلوق کہنے کے یہ کہنا چاہئے کہ وہ وجود کسی دوسرے کی طرف سے مخلوق نہیں بلکہ ازلی ابدی طور پر اپنی طرف سے آپ ہی ظہور پذیر ہے اور **خدا ہونے کے بھی یہی معنے ہیں کہ خود آئندہ ہے۔**

دوسرا ٹکڑا اعتراض کا کہ تقریر مذکورہ بالا سے خدائے تعالیٰ کا اپنی مثل بنانے پر قادر ہونا لازم آتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قدرت الٰہی صرف اُن چیزوں کی طرف رجوع کرتی ہے جو اس کی صفات ازلیہ ابدیہ کی منافی اور مخالف نہ ہوں بے شک یہ بات تو صحیح اور ہر طرح سے مدلل اور معقول ہے کہ جس چیز کا علم خدائے تعالیٰ کو کامل ہو اس چیز کو اگر چاہے تو پیدا بھی کر سکتا ہے لیکن یہ بات ہر گز صحیح اور ضروری نہیں ہے کہ جن باتوں کے کرنے پر وہ قادر ہو ان سب باتوں کو بلا لحاظ اپنی صفات کمالیہ کے کر کے بھی دکھاوے بلکہ وہ اپنی ہر ایک قدرت کے اجراء اور نفاذ میں اپنی صفات کمالیہ کا ضرور لحاظ رکھتا ہے کہ آیا وہ امر جس کو وہ اپنی قدرت سے کرنا چاہتا ہے اُس کی صفات کاملہ سے منافی و مبائن تو نہیں۔ مثلاً وہ قادر ہے کہ ایک بڑے پرہیز گار صالح کو دوزخ کی آگ میں جلاوے۔ لیکن اس کے رحم اور عدل اور مجازات کی صفت اس بات کی منافی پڑی ہوئی ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اس لئے وہ ایسا کام کبھی نہیں کرتا۔ ایسا ہی اس کی قدرت اس طرف میں رجوع نہیں کرتی کہ وہ اپنے تئیں ہلاک کرے۔ کیونکہ یہ فعل اس کی صفت حیات ازلی ابدی کی منافی ہے۔ پس اسی طرح سے سمجھ لینا چاہئے کہ وہ اپنے جیسا خدا بھی نہیں بناتا کیونکہ اُس کی صفت احدیت اور بے مثل اور مانند ہونے کی جو ازلی ابدی طور پر اس میں پائی جاتی ہے اس طرف توجہ کرنے سے اس کو روکتی ہے۔ پس ذرہ آنکھ کھول کر سمجھ لینا چاہئے کہ ایک کام کے کرنے سے عاجز ہونا اور بات ہے لیکن باوجود قدرت کے بلحاظ صفات کمالیہ امر منافی صفات کی طرف توجہ نہ کرنا یہ اور بات ہے۔" (سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 230 تا 233 حاشیہ)

ایک راز کا اظہار فرماتے ہوئے حضورؑ بیان فرماتے ہیں:

"یہ ایک سِر ربوبیت ہے جو کلمات اللہ سے مخلوقات الٰہی پیدا ہو جاتی ہے اس کو اپنی اپنی سمجھ کے موافق ہر یک شخص ذہن نشین کر سکتا ہے۔ چاہے اس طرح سمجھ لے کہ مخلوقات کلمات الٰہی کے اظلال و آثار ہیں یا ایسا سمجھ سکتا ہے کہ خود کلمات الٰہی ہی ہیں جو بقدرت الٰہی مخلوقیت کے رنگ میں آجاتے ہیں۔ کلام الٰہی کی عبارت ان دونوں

معنوں کے سمجھنے کے لئے وسیع ہے اور بعض مواضع قرآن کی ظاہر عبارت میں مخلوقات کا نام کلمات اللہ رکھا گیا ہے جو تجلیات ربوبیت ہے بقدرت الٰہی لوازم و خواص جدیدہ حاصل کر کے حدوث کے کامل رنگ سے رنگین ہو گئے ہیں اور در حقیقت یہ ایک سرّان اسرار خالقیت میں سے ہے جو عقل کے چرخ پر چڑھا کر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے اور عوام کے لئے سیدھا راہ سمجھنے کا یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کرنا چاہا وہ ہو گیا اور سب کچھ اسی کا پیدا کردہ اور اُسی کی مخلوق اور اُسی کے دست قدرت سے نکلا ہوا ہے۔ لیکن عارفوں پر کشفی طور سے بعد مجاہدات یہ کیفیت حدوث کھل جاتی ہے اور نظر کشفی میں کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ارواح و اجسام کلمات اللہ ہی ہیں۔ جو حکمت کاملہ الٰہی پیرایۂ حدوث و مخلوقیت سے متلبس ہو گئے ہیں۔ مگر اصل محکم جس پر قدم مارنا اور قائم رہنا ضروری ہے یہ ہے کہ ان کشفیات و معقولات سے قدر مشترک لیا جائے یعنی یہ کہ خدائے تعالیٰ ہر یک چیز کا خالق اور محدث ہے اور کوئی چیز کیا ارواح اور کیا اجسام بغیر اس کے ظہور پذیر نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ کلام الٰہی کی عبارت اس جگہ در حقیقت ذو الوجوہ ہے اور جس قدر قطع اور یقین کے طور پر قرآن شریف ہدایت کرتا ہے وہ یہی ہے کہ ہر یک چیز خدائے تعالیٰ سے ظہور پذیر و وجود پذیر ہوئی ہے اور کوئی چیز بغیر اس کے پیدا نہیں ہوئی اور نہ خود بخود ہے۔ سو اس قدر اعتقاد ابتدائی حالت کے لئے کافی ہے۔ پھر آگے معرفت کے میدانوں میں سیر کرنا جس کو نصیب ہو گا اس پر بعد مجاہدات خود وہ کیفیت کھل جائے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔(العنکبوت:70)"

(سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد2 صفحہ 173 تا175 حاشیہ)

حضورؑ عالم کل میں پائی جانے والی صفات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

"اس میں کلام کی جگہ نہیں کہ جو کچھ اجرام فلکی اور عناصر میں جسمانی اور فانی طور پر صفات پائی جاتی ہیں وہ روحانی اور ابدی طور پر خدا تعالیٰ میں موجود ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ بھی ہم پر کھول دیا ہے کہ سورج وغیرہ بذات خود کچھ چیز نہیں ہیں۔ یہ اسی کی طاقت زبردست ہے جو پردہ میں ہر ایک کام کر رہی ہے۔ وہی ہے جو چاند کو پردہ پوش اپنی ذات کا بنا کر اندھیری راتوں کو روشنی بخشتا ہے جیسا کہ وہ تاریک دلوں میں خود داخل ہو کر ان کو منور کر دیتا ہے اور آپ انسان کے اندر بولتا ہے۔ وہی ہے جو اپنی طاقتوں پر سورج کا پردہ ڈال کر دن کو ایک عظیم الشان روشنی کا مظہر بنا دیتا ہے اور مختلف فصلوں میں مختلف اپنے کام ظاہر کرتا ہے۔ اُسی کی طاقت آسمان سے برستی ہے جو مینہ کہلاتی ہے اور خشک زمین کو سرسبز کر دیتی ہے اور پیاسوں کو سیراب کر دیتی ہے۔ اُسی کی طاقت آگ میں ہو کر جلاتی ہے اور ہوا میں ہو کر دم کو تازہ کرتی اور پھولوں کو شگفتہ کرتی اور بادلوں کو اٹھاتی اور آواز کو کانوں تک پہنچاتی ہے۔ یہ اُسی کی طاقت ہے کہ زمین کی شکل میں مجسم ہو کر نوع انسان اور حیوانات کو اپنی پشت پر اٹھا رہی ہے۔ مگر کیا یہ چیزیں خدا ہیں؟ نہیں

بلکہ مخلوق مگر ان کے اجرام میں خدا کی طاقت ایسے طور سے پیوست ہو رہی ہے کہ جیسے قلم کے ساتھ ہاتھ ملا ہوا ہے۔ اگرچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قلم لکھتی ہے مگر قلم نہیں لکھتی بلکہ ہاتھ لکھتا ہے یا مثلاً ایک لوہے کا ٹکڑا جو آگ میں پڑ کر آگ کی شکل بن گیا ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ جلاتا ہے اور روشنی بھی دیتا ہے مگر دراصل وہ صفات اس کی نہیں بلکہ آگ کی ہیں۔ اسی طرح تحقیق کی نظر سے یہ بھی سچ ہے کہ **جس قدر اجرام فلکی و عناصر ارضی بلکہ ذرہ ذرہ عالم سفلی اور علوی کا مشہود اور محسوس ہے یہ سب باعتبار اپنی مختلف خاصیتوں کے جو ان میں پائی جاتی ہیں خدا کے نام ہیں اور خدا کی صفات ہیں اور خدا کی طاقت ہے جو ان کے اندر پوشیدہ طور پر جلوہ گر ہے** اور یہ سب ابتدا میں اسی کے کلمے تھے جو اس کی قدرت نے ان کو مختلف رنگوں میں ظاہر کر دیا۔ نادان سوال کرے گا کہ خدا کے کلمے کیونکر مجسم ہوئے۔ کیا خدا ان کے علیحدہ ہونے سے کم ہو گیا۔ مگر اس کو سوچنا چاہئے کہ آفتاب سے جو ایک **آتشی شیشی** آگ حاصل کرتی ہے وہ آگ کچھ آفتاب میں سے کم نہیں کرتی۔ ایسا ہی جو کچھ چاند کی تاثیر سے پھلوں میں فربہی آتی ہے وہ چاند کو دُبلا نہیں کر دیتی۔ یہی خدا کی معرفت کا ایک بھید اور تمام نظام روحانی کا مرکز ہے کہ خدا کے کلمات سے ہی دنیا کی پیدائش ہے۔“

(نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 423،424)

حضورؑ نے تمام مخلوقات کا خدا سے تعلق کچھ یوں بیان فرمایا ہے:

”اس جگہ اس نکتہ کا بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ خدائے تعالیٰ جو علت العلل ہے جس کے وجود کے ساتھ تمام وجودوں کا سلسلہ وابستہ ہے جب وہ کبھی مربیانہ یا قاہرانہ طور پر کوئی جنبش اور حرکت ارادی کسی امر کے پیدا کرنے کے لئے کرتا ہے تو وہ حرکت اگر اتم اور اکمل طور پر ہو تو جمیع موجودات کی حرکت کو مستلزم ہوتی ہے اور اگر بعض شیون کے لحاظ سے یعنی جزئی حرکت ہو تو اُسی کے موافق عالم کے بعض اجزاء میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ خدائے عزوجل کے ساتھ اُس کی تمام مخلوقات اور جمیع عالموں کا جو علاقہ ہے وہ اُس علاقہ سے مشابہ ہے جو جسم کو جان سے ہوتا ہے اور جیسے جسم کے تمام اعضاء روح کے ارادوں کے تابع ہوتے ہیں اور جس طرف رُوح جھکتی ہے اُسی طرف وہ جھک جاتے ہیں۔ یہی نسبت خدائے تعالیٰ اور اس کی مخلوقات میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ میں صاحب فصوص کی طرح حضرت واجب الوجود کی نسبت یہ تو نہیں کہتا کہ خَلَقَ الْأَشْيَاءَ وَهُوَ عَيْنُهَا مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ خَلَقَ الْأَشْيَاءَ وَهُوَ كَعَيْنِهَا۔ هٰذَا الْعَالَمُ كَصَرْحٍ مُمَرَّدٍ مِنْ قَوَارِيرَ، وَمَاءُ الطَّاقَةِ الْعُظْمٰى يَجْرِي تَحْتَهَا، وَيَفْعَلُ مَا يُرِيدُ. يُخَيَّلُ فِي عُيُونٍ قَاصِرَةٍ كَأَنَّهَا هُوَ، يَحْسَبُونَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُؤَثِّرَاتٍ بِذَاتِهَا، وَلَا مُؤَثِّرَ إِلَّا هُوَ۔

حکیم مطلق نے میرے پر یہ راز سربستہ کھول دیا ہے کہ یہ تمام عالم معہ اپنے جمیع اجزا کے اس علت العلل کے

کاموں اور ارادوں کی انجام دہی کے لئے سچ مچ اس اعضاء کی طرح واقع ہے جو خود بخود قائم نہیں بلکہ ہر وقت اس روح اعظم سے قوت پاتا ہے۔ جیسے جسم کی تمام قوتیں جان کی طفیل سے ہی ہوتی ہیں اور یہ عالم جو اس وجود اعظم کے لئے قائم مقام اعضاء کا ہے۔ بعض چیزیں اس میں ایسی ہیں کہ گویا اس کے چہرہ کا نور ہیں جو ظاہری یا باطنی طور پر اس کے ارادوں کے موافق روشنی کا کام دیتی ہیں اور بعض ایسی چیزیں ہیں کہ گویا اس کے ہاتھ ہیں اور بعض ایسی ہیں کہ گویا اُس کے پیر ہیں اور بعض اس کے سانس کی طرح ہیں۔ **غرض یہ مجموعہ عالم خدائے تعالیٰ کے لئے بطور ایک اندام کے واقعہ ہے**۔ اور تمام آب و تاب اس اندام کی اور ساری زندگی اس کی اسی روح اعظم سے ہے جو اس کی قیوم ہے۔ اور جو کچھ اس قیوم کی ذات میں ارادی حرکت پیدا ہوتی ہے وہی حرکت اس اندام کے کل اعضاء یا بعض میں جیسا کہ اُس قیوم کی ذات کا تقاضا ہو پیدا ہو جاتی ہے۔

اس بیان مذکورہ بالا کی تصویر دکھلانے کے لئے تخیلی طور پر ہم فرض کر سکتے ہیں کہ قیوم العالمین ایک ایسا وجود اعظم ہے جس کے بے شمار ہاتھ بے شمار پیر اور ہر یک عضو اس کثرت سے ہے کہ تعداد سے خارج اور لا انتہا عرض اور طول رکھتا ہے اور تندوے کی طرح اس وجود اعظم کی تاریں بھی ہیں جو صفحہ ہستی کے تمام کناروں تک پھیل رہی ہیں اور کشش کا کام دے رہی ہیں یہ وہی اعضاء ہیں جن کا دوسرے لفظوں میں عالم نام ہے۔ جب قیوم عالم کوئی حرکت جزوی یا کلی کرے گا تو اس کی حرکت کے ساتھ اس کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہوگا اور وہ اپنے تمام ارادوں کو انہیں اعضاء کے ذریعہ سے ظہور میں لائے گا نہ کسی اور طرح سے۔ پس یہی ایک عام فہم مثال اس روحانی امر کی ہے کہ جو کہا گیا ہے کہ مخلوقات کی ہر یک جزو خدائے تعالیٰ کے ارادوں کی تابع اور اُس کے مقاصد مخفیہ کو اپنے خادمانہ چہرہ میں ظاہر کر رہی ہے۔ اور کمال درجہ کی اطاعت سے اُس کے ارادوں کی راہ میں محو ہو رہی ہے۔ اور یہ اطاعت اس قسم کی ہرگز نہیں ہے جس کی صرف حکومت اور زبردستی پر بنا ہو بلکہ ہر یک چیز کو خدائے تعالیٰ کی طرف ایک مقناطیسی کشش پائی جاتی ہے اور ہر یک ذرہ ایسا بالطبع اس کی طرف جھکا ہوا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک وجود کے متفرق اعضاء اُس وجود کی طرف جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ پس **در حقیقت یہی سچ ہے اور بالکل سچ ہے کہ یہ تمام عالم اُس وجود اعظم کے لئے بطور اعضاء کے واقعہ ہے** اور اسی وجہ سے وہ قیوم العالمین کہلاتا ہے کیونکہ جیسی جان اپنے بدن کی قیوم ہوتی ہے ایسا ہی وہ تمام مخلوقات کا قیوم ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نظام عالم کا بالکل بگڑ جاتا۔ ہر یک ارادہ اس قیوم کا خواہ وہ ظاہری ہے یا باطنی۔ دینی ہے یا دنیوی اسی مخلوقات کے توسط سے ظہور پذیر ہوتا ہے اور کوئی ایسا ارادہ نہیں کہ بغیر ان وسائط کے زمین پر ظاہر ہوتا ہو۔ یہی قدیمی قانون قدرت ہے کہ جو ابتداء سے بندھا ہوا چلا آتا ہے۔“

(توضیح مرام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 88 تا 91)

حضورؑ خدا تعالیٰ کا انسانوں کو اپنی کامل معرفت دینے کے دو رنگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”خدا تعالیٰ نے عاجز انسانوں کو اپنی کامل معرفت کا علم دینے کے لئے اپنی صفات کو قرآن شریف میں دو رنگ

پر ظاہر کیا ہے۔(۱) اول اس طور پر بیان کیا ہے جس سے اس کی صفات استعارہ کے طریق پر مخلوق کی صفات کی ہم شکل ہیں۔ جیسا کہ وہ کریم رحیم ہے، محسن ہے اور وہ غضب بھی رکھتا ہے اور اُس میں محبت بھی ہے اور اس کے ہاتھ بھی ہیں اور اس کی آنکھیں بھی ہیں اور اس کی ساقین بھی ہیں اور اُس کے کان بھی ہیں اور نیز **یہ کہ قدیم سے سلسلہ مخلوق کا اس کے ساتھ چلا آیا ہے مگر کسی چیز کو اس کے مقابل پر قدامت شخصی نہیں ہاں قدامت نوعی ہے** اور وہ بھی خدا کی صفت خلق کے لئے ایک لازمی امر نہیں کیونکہ جیسا کہ خَلق یعنی پیدا کرنا اس کی صفات میں سے ہے ایسا ہی کبھی اور کسی زمانہ میں تجلی وحدت اور تجرد اس کی صفات میں سے ہے اور کسی صفت کے لئے تعطل دائمی جائز نہیں ہاں تعطل میعادی جائز ہے۔

غرض چونکہ خدا نے انسان کو پیدا کر کے اپنی ان تشبیہی صفات کو اُس پر ظاہر کیا جن صفات کے ساتھ انسان بظاہر شراکت رکھتا ہے۔ جیسے خالق ہونا کیونکہ انسان بھی اپنی حد تک بعض چیزوں کا خالق یعنی موجد ہے۔ ایسا ہی انسان کو کریم بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنی حد تک کرم کی صفت بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور اسی طرح انسان کو رحیم بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنی حد تک قوت رحم بھی اپنے اندر رکھتا ہے اور قوت غضب بھی اس میں ہے۔ اور ایسا ہی آنکھ کان وغیرہ سب انسان میں موجود ہیں۔ پس ان تشبیہی صفات سے کسی کے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ گویا انسان ان صفات میں خدا سے مشابہ ہے اور خدا انسان سے مشابہ ہے اس لئے خدا نے ان صفات کے مقابل پر قرآن شریف میں اپنی تنزیہی صفات کا بھی ذکر کر دیا یعنی ایسی صفات کا ذکر کیا جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کو اپنی ذات اور صفات میں کچھ بھی شراکت انسان کے ساتھ نہیں اور نہ انسان کو اس کے ساتھ کچھ مشارکت ہے۔ نہ اُس کا خَلق یعنی پیدا کرنا انسان کے خلق کی طرح ہے نہ اس کا رحم انسان کے رحم کی طرح ہے۔ نہ اس کا غضب انسان کے غضب کی طرح ہے۔ نہ اس کی محبت انسان کی محبت کی طرح ہے۔ نہ وہ انسان کی طرح کسی مکان کا محتاج ہے۔

اور یہ ذکر یعنی خدا کا اپنی صفات میں انسان سے بالکل علیحدہ ہونا قرآن شریف کی کئی آیات میں تصریح کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایک یہ آیت ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ۚ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (الشوریٰ:12) یعنی کوئی چیز اپنی ذات اور صفات میں خدا کی شریک نہیں اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اور پھر ایک جگہ فرمایا

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۥ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَ مَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (البقرۃ:256)

ترجمہ حقیقی وجود اور حقیقی بقا اور تمام صفات حقیقیہ خاص خدا کے لئے ہیں کوئی ان میں اس کا شریک نہیں۔ وہی بذاتہ زندہ ہے اور باقی تمام زندے اُس کے ذریعے سے ہیں۔ اور وہی اپنی ذات سے آپ قائم ہے اور باقی تمام چیزوں کا قیام اس کے سہارے سے ہے اور جیسا کہ موت اس پر جائز نہیں ایسا ہی ادنی درجہ کا تعطل حو اس بھی جو نیند

اور اونگھ سے ہے وہ بھی اس پر جائز نہیں مگر دوسروں پر جیسا کہ موت وارد ہوتی ہے نیند اور اونگھ بھی وارد ہوتی ہے۔ جو کچھ تم زمین میں دیکھتے ہو یا آسمان میں وہ سب اُسی کا ہے اور اُسی سے ظہور پذیر اور قیام پذیر ہے۔ کون ہے جو بغیر اس کے حکم کے اس کے آگے شفاعت کر سکتا ہے۔ وہ جانتا ہے جو لوگوں کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے یعنی اس کا علم حاضر اور غائب پر محیط ہے۔ اور کوئی اس کے علم کا کچھ بھی احاطہ نہیں کر سکتا لیکن جس قدر وہ چاہے۔ اس کی قدرت اور علم کا تمام زمین و آسمان پر تسلط ہے۔ وہ سب کو اٹھائے ہوئے ہے۔ یہ نہیں کہ کسی چیز نے اس کو اُٹھار کھا ہے۔ اور وہ آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزوں کے اٹھانے سے تھکتا نہیں اور وہ اس بات سے بزرگ تر ہے کہ ضعف و ناتوانی اور کم قدرتی اس کی طرف منسوب کی جائے۔

اور پھر ایک جگہ فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ (الاعراف:55) (ترجمہ) تمہارا پروردگار وہ خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر اس نے عرش پر قرار پکڑا یعنی اُس نے زمین و آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کر کے اور تشبیہی صفات کا ظہور فرما کر پھر تنزیہی صفات کے ثابت کرنے کے لئے مقام تنزہ اور تجرد کی طرف رخ کیا جو وراء الوراء مقام اور مخلوق کے قرب وجوار سے دور تر ہے۔ وہی بلند تر مقام ہے جس کو عرش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ پہلے **تو تمام مخلوق چیزّ عدم میں تھی اور خدا تعالیٰ وراء الوراء مقام میں اپنی تجلیات ظاہر کر رہا تھا جس کا نام عرش ہے۔** یعنی وہ مقام جو ہر ایک عالم سے بلند تر اور برتر ہے اور اسی کا ظہور اور پرتو تھا اور اس کی ذات کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر اس نے زمین و آسمان اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا۔ اور جب مخلوق ظاہر ہوئی تو پھر اس نے اپنے تئیں مخفی کر لیا اور چاہا کہ وہ ان مصنوعات کے ذریعہ سے شناخت کیا جائے۔ مگر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ دائمی طور پر تعطل صفات الہیہ کبھی نہیں ہوتا اور بجز خدا کے کسی چیز کے لئے قدامت شخصی تو نہیں مگر قدامت نوعی ضروری ہے اور خدا کی کسی صفت کے لئے تعطل دائمی تو نہیں مگر تعطل میعادی کا ہونا ضروری ہے۔ اور چونکہ صفت ایجاد اور صفت اِفْنَاء باہم متضاد ہیں۔ اس لئے جب اِفْنَاء کی صفت کا ایک کامل دور آ جاتا ہے تو صفت ایجاد ایک معیاد تک معطل رہتی ہے۔ غرض ابتدا میں خدا کی صفت وحدت کا دور تھا۔ اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس دور نے کتنی دفعہ ظہور کیا۔ بلکہ یہ دور قدیم اور غیر متناہی ہے۔ بہر حال صفت وحدت کے دور کو دوسری صفات پر تقدم زمانی ہے۔ پس اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ ابتدا میں خدا اکیلا تھا اور اس کے ساتھ کوئی نہ تھا اور پھر خدا نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ اُن میں ہے پیدا کیا۔ اور اسی تعلق کی وجہ سے اس نے اپنے یہ اسماء ظاہر کئے کہ وہ کریم اور رحیم ہے اور غفور اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ مگر جو شخص گناہ پر اصرار کرے اور باز نہ آوے اس کو وہ بے سزا نہیں چھوڑتا اور اُس نے اپنا یہ اسم بھی ظاہر کیا کہ وہ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے اور اس کا غضب صرف انہی لوگوں پر بھڑکتا ہے جو ظلم اور شرارت اور معصیت سے باز نہیں آتے..... اس کی تمام صفات اس کی ذات کے مناسب حال ہیں انسان کی صفات کی مانند نہیں۔ اور اس کی آنکھ وغیرہ جسم اور جسمانی

نہیں اور اس کی کسی صفت کو انسان کی کسی صفت سے مشابہت نہیں۔ مثلاً انسان اپنے غضب کے وقت پہلے غضب کی تکلیف آپ اُٹھاتا ہے اور جوش وغضب میں فوراً اس کا سرور دُور ہو کر ایک جلن سی اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مادہ سوداوی اُس کے دماغ میں چڑھ جاتا ہے اور ایک تغیر اس کی حالت میں پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر خدا ان تغیرات سے پاک ہے۔ اور اس کا غضب ان معنوں سے ہے کہ وہ اس شخص سے جو شرارت سے باز نہ آوے اپنا سایہ حمایت اٹھالیتا ہے اور اپنے قدیم قانون قدرت کے موافق اس سے ایسا معاملہ کرتا ہے جیسا کہ ایک غضبناک انسان کرتا ہے۔ لہٰذا استعارہ کے رنگ میں وہ معاملہ اس کا غضب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی اس کی محبت انسان کی محبت کی طرح نہیں کیونکہ انسان غلبہ محبت میں بھی دکھ اٹھاتا ہے اور محبوب کے علیحدہ اور جدا ہونے سے اس کی جان کو تکلیف پہنچتی ہے مگر خدا ان تکالیف سے پاک ہے۔ ایسا ہی اس کا قرب بھی انسان کے قرب کی طرح نہیں کیونکہ انسان جب ایک کے قریب ہوتا ہے تو اپنے پہلے مرکز کو چھوڑ دیتا ہے۔ مگر وہ باوجود قریب ہونے کے دُور ہوتا ہے اور باوجود دور ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ غرض خدا تعالیٰ کی ہر ایک صفت انسانی صفات سے الگ ہے اور صرف اشتراک لفظی ہے اس سے زیادہ نہیں۔ اسی لئے خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:12) یعنی کوئی چیز اپنی ذات یا صفات میں خدا تعالیٰ کے برابر نہیں۔" (چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 272 تا 276)

نیز فرمایا:

"خدا کبھی معطل نہیں ہوگا۔ ہمیشہ خالق، ہمیشہ رازق، ہمیشہ رب، ہمیشہ رحمان، ہمیشہ رحیم ہے اور رہے گا۔
میرے نزدیک ایسے عظیم الشان جبروت والے کی نسبت بحث کرنا گناہ میں داخل ہے۔ خدا نے کوئی چیز منوانی نہیں چاہی جس کا نمونہ یہاں نہیں دیا۔" (ملفوظات جلد 4 صفحہ 13 ایڈیشن 2022ء)

"اصل بات یہ ہے کہ خدا کی قدرت میں جو ایک خصوصیت ہے جس سے وہ خدا کہلاتا ہے وہ روحانی اور جسمانی قوتوں کے پیدا کرنے کی خاصیت ہے۔ مثلاً جانداروں کے جسم کو جو اس نے آنکھیں عطا کی ہیں اس کام میں اس کا اصل کمال یہ نہیں ہے کہ اُس نے یہ آنکھیں بنائیں بلکہ کمال یہ ہے کہ اُس نے ذرات جسم میں پہلے سے یہ پوشیدہ طاقتیں پیدا کر رکھی تھیں جن میں بینائی کا نور پیدا ہو سکے۔ پس اگر وہ طاقتیں خود بخود ہیں تو پھر خدا کچھ بھی چیز نہیں۔ کیونکہ بقول شخصے کہ گھی سنوارے سالنا بڑی بہو کا نام۔ اس بینائی کو وہ طاقتیں پیدا کرتی ہیں خدا کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اگر ذرات عالم میں وہ طاقتیں نہ ہوتیں تو خدائی بے کار رہ جاتی۔ پس ظاہر ہے کہ خدائی کا تمام مدار اس پر ہے کہ اس نے روحوں اور ذرات عالم کی تمام قوتیں خود پیدا کی ہیں اور کرتا ہے اور خود اُن میں طرح طرح کے خواص رکھے ہیں اور رکھتا ہے۔ پس وہی خواص جوڑنے کے وقت اپنا کرشمہ دکھلاتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے خدا کے ساتھ کوئی موجد برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ گو کوئی شخص ریل کا موجد ہو یا تار کا یا فوٹوگراف کا یا پریس کا یا کسی اور صنعت کا اس کو اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ ان قوتوں کا موجد نہیں جن قوتوں کے استعمال سے وہ کسی صنعت کو طیار کرتا ہے۔ بلکہ یہ تمام

موجد بنی بنائی قوتوں سے کام لیتے ہیں جیسا کہ انجن چلانے میں بھاپ کی طاقتوں سے کام لیا جاتا ہے۔ پس فرق یہی ہے کہ خدا نے عنصر وغیرہ میں یہ طاقتیں خود پیدا کی ہیں۔ مگر یہ لوگ خود طاقتیں اور قوتیں پیدا نہیں کر سکتے۔ پس **جب تک خدا کو ذرات عالم اور ارواح کی تمام قوتوں کا موجد نہ ٹھہرایا جائے تب تک خدائی اُس کی ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی** اور اس صورت میں اس کا درجہ ایک معمار یا نجار یا حداد یا گلگو سے ہرگز زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ ایک بدیہی بات ہے جو رد کے قابل نہیں۔" (نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 383، 384)

حضورؑ اس امر کا رد فرماتے ہیں کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے:

"مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ عرش کوئی جسمانی اور مخلوق چیز ہے جس پر خدا بیٹھا ہوا ہے تمام قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک پڑھو اس میں ہرگز نہیں پاؤ گے کہ عرش بھی کوئی چیز محدود اور مخلوق ہے۔ **خدا نے بار بار قرآن شریف میں فرمایا ہے کہ ہر ایک چیز جو کوئی وجود رکھتی ہے اس کا میں ہی پیدا کرنے والا ہوں۔** میں ہی زمین وآسمان اور روحوں اور اُن کی تمام قوتوں کا خالق ہوں۔ میں اپنی ذات میں آپ قائم ہوں اور ہر ایک چیز میرے ساتھ قائم ہے۔ ہر ایک ذرہ اور ہر ایک چیز جو موجود ہے وہ میری ہی پیدائش ہے مگر کہیں نہیں فرمایا کہ عرش بھی کوئی جسمانی چیز ہے جس کا میں پیدا کرنے والا ہوں........ قرآن شریف میں لفظ عرش کا جہاں جہاں استعمال ہوا ہے۔ اُس سے مراد خدا کی عظمت اور جبروت اور بلندی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مخلوق چیزوں میں داخل نہیں کیا اور خدا تعالیٰ کی عظمت اور جبروت کے مظہر چار ہیں جو وید کے رُو سے چار دیوتے کہلاتے ہیں مگر قرآنی اصطلاح کی رُو سے ان کا نام فرشتے بھی ہے۔" (نسیم دعوت، روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 453 تا 456)

پس ان اقتباسات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے جس خدا کا تصور دیا ہے وہی حقیقی، معتدل اور عقل کی ہر کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور باقی تمام تصورات جن کے بگاڑ سے ایک دنیا خدا کی منکر ہے ہرگز درست نہیں۔ لہٰذا اسلام کے پیش کردہ خدا کی صفت خالقیت کا ظہور جیسا آپؑ کی تحریرات سے بدیہی طور پر اجلیٰ اور اصفیٰ بیان کر کے دکھایا گیا ہے اس کی نظیر لانا ممکن ہی نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی یہ صفت صرف تھیوری میں ہی سمجھی نہیں گئی بلکہ عملی طور پر بھی حضرت اقدس علیہ السلام کے ساتھ رہنے والوں نے اس کا مشاہدہ کیا۔ چنانچہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ بیان فرماتے ہیں:

"بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے باغ میں پھر رہے تھے جب آپ سنگترہ کے ایک درخت کے پاس سے گزرے تو میں نے (یعنی والدہ صاحبہ نے) یا کسی اور نے کہا کہ اس وقت تو سنگترہ کو دل چاہتا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کیا تم نے سنگترہ لینا ہے؟ والدہ صاحبہ نے یا اس شخص نے کہا

کہ ہاں لینا ہے۔ اس پر حضرت صاحب نے اس درخت کی شاخوں پر ہاتھ مارا اور جب آپ کا ہاتھ شاخوں سے الگ ہوا تو آپ کے ہاتھ میں ایک سنگترہ تھا اور آپ نے فرمایا یہ لو۔ خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ وہ سنگترہ کیسا تھا؟ والدہ صاحبہ نے کہا زرد رنگ کا پکا ہوا سنگترہ تھا۔ میں نے پوچھا۔ کیا پھر آپ نے اسے کھایا؟ والدہ صاحبہ نے کہا یہ مجھے یاد نہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ حضرت صاحب نے کس طرح ہاتھ مارا تھا؟ اس پر والدہ صاحبہ نے اس طرح ہاتھ مار کر دکھایا اور کہا کہ جس طرح پھل توڑنے والے کا ہاتھ درخت پر ٹھہرتا ہے اس طرح آپ کا ہاتھ شاخوں پر نہیں ٹھہرا بلکہ آپ نے ہاتھ مارا اور فوراً لوٹا لیا۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ کیا اس وقت سنگترہ کا موسم تھا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں اور وہ درخت بالکل پھل سے خالی تھا۔ خاکسار نے یہ روایت مولوی شیر علی صاحب کے پاس بیان کی تو انہوں نے کہا کہ میں نے یہ روایت حضرت خلیفہ ثانیؓ سے بھی سنی ہے۔ آپ بیان کرتے تھے کہ حضرت صاحب نے میرے کہنے پر ہاتھ مارا اور سنگترہ دیا تھا۔ ''(سیرت المہدی جلد 1 روایت نمبر 6 صفحہ 5)

اسی طرح کا ایک واقعہ جہاں خالق خدا نے غیب سے اپنے پیارے کے لئے سامان کئے حضرت حافظ روشن علی صاحب یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

''ایک دن میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا سبق کی انتظار میں بیٹھے بیٹھے کھانے کا وقت گذر گیا حتیٰ کہ ہمارا حدیث کا سبق شروع ہو گیا میں اپنی بھوک کی پروانہ کر کے سبق میں مصروف ہو گیا درآنحالیکہ میں بخوبی سبق پڑھنے والے طالب علم کی آواز سن رہا تھا اور سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ یکایک سبق کا آواز مدھم ہوتا گیا اور میرے کان اور آنکھیں باوجود بیداری کے سننے اور دیکھنے سے رہ گئے۔ اس حالت میں میرے سامنے کسی نے تازہ بتازہ تیار ہوا ہوا کھانا لا رکھا۔ گھی میں تلے ہوئے پراٹھے اور بھنا ہوا گوشت تھا۔ میں خوب مزے لے لے کر کھانے لگ گیا جب میں سیر ہو گیا تو میری یہ حالت منتقل ہو گئی اور پھر مجھے سبق کا آواز سنائی دینے لگ گیا۔ مگر اس وقت تک بھی میرے منہ میں کھانے کی لذت موجود تھی اور میرے پیٹ میں سیری کی طرح ثقل محسوس ہوتا تھا اور سچ سچ جس طرح کھانا کھانے سے تازگی ہو جاتی ہے وہی تازگی اور سیری مجھے میسر تھی حالانکہ نہ میں کہیں گیا اور نہ کسی اور نے مجھے کھانا کھاتے دیکھا۔ اس کے بعد حضرت خلیفۂ اولؓ نے فرمایا میں نے خود ان باتوں کا بڑا تجربہ کیا ہے۔''(حیات نور صفحہ 290،289)

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے پیاروں کو نہ صرف خدا تعالیٰ کی اس صفت کے بارہ میں بتایا بلکہ ان کو خدا تعالیٰ سے ایسا جوڑ دیا کہ ان کے لئے اس صفت کے نشان دنیا میں ظاہر ہونے لگے۔

امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”پس اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلامِ صادق کو قرآن کریم کی اشاعت کے لیے بھیجا ہے، قرآن کریم کی حفاظت کے لیے بھیجا ہے۔ آپؑ کو وہ معارف سکھائے ہیں جو لوگوں سے پوشیدہ تھے۔ آپؑ کے ذریعے قرآن کریم کے فیض کا ایک چشمہ جاری فرمایا ہے۔ آپؑ تو آئے ہی قرآن کریم کی حکومت کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے نام نہاد علماء نے آپؑ کے دعوے کی ابتدا سے ہی آپؑ کی مخالفت اپنا مقصد بنایا ہوا ہے اور کوئی دلیل اور عقل کی بات سننا نہیں چاہتے اور عوام الناس کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ خود تو علم و معرفت سے نابلد ہیں لیکن جس کو خدا تعالیٰ نے اس کام کے لیے بھیجا ہے اس کے راستے میں روکیں کھڑی کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور اسے یہ لوگ قرآن کریم کی خدمت سمجھتے ہیں۔

پاکستان میں وقتاً فوقتاً ان علماء کو ابال اٹھتا رہتا ہے اور ان کے ساتھ پھر بعض سستی شہرت حاصل کرنے والے سیاستدان اور سرکاری اہلکار بھی مل جاتے ہیں اور احمدیوں کو مختلف بہانوں سے ظلموں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ گذشتہ کچھ عرصے سے پھر یہ لوگ احمدیوں پر تحریف اور توہینِ قرآن کے من گھڑت مقدمے بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے بچائے اور جو احمدی اس غلط اور ظالمانہ الزام میں انہوں نے پکڑے ہوئے ہیں ان کی جلد رہائی کے بھی اللہ تعالیٰ سامان پیدا فرمائے۔

بہرحال جیسا کہ میں نے کہا کہ اس زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کی روشنی ہی ہے جس سے قرآن کریم کے علوم و معارف کا پتہ چلتا ہے اور جماعت احمدیہ ہی ہے جو اس کام کو دنیا میں سرانجام دے رہی ہے۔“

(انتخاب از خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 3/ فروری 2023ء، مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 24 فروری 2023ء)

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131 Editor: Mahfooz ur Rehman

OCTOBER 2026 | IKHAA 1405(HS)| RABI' AL-THANI/ JUMADA AL-ULA 1448(HQ)| VOL.15 NO.10

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk
https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib